علمی فکری اور نظریاتی جدوجہد کا امین

نقیبِ طلبہ

اسلام آباد
NEWS LETTER
جلد نمبر 16 | جولائی، اگست 2023 | شمارہ نمبر 4

یومِ آزادی مبارک

14 August

خلیفۂ ثانی
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ ثالث
سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ

سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

مرکزی تربیتی کنونشن

قیدی نمبر 650

فہرست مضامین

	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
1	درس قرآن وحدیث	ادارہ	1
2	تعلیم وتربیت کا حسین امتزاج	ادارہ	3
3	سیرت سیدنا عثمان بن عفانؓ	مفتی عتیق الرحمن	4
4	قیدی نمبر 650!!	سید عدنان اکبر گیلانی	6
5	سیدنا حسینؓ بن علیؓ کا مقام ومرتبہ	حافظ محمد شعیب	8
6	وہ جن کے آنے سے بہار آئی	فیضان شہزاد، کراچی	11
7	نئی ایجادات کا استعمال کیسے کریں؟	محمد اطہر فتح پوری	14
8	سوشل میڈیا کے استعمال کے مثبت پہلو	محمد معاویہ آصف	15
9	نوجوان، مایوسی اور اس کا حل	محمد شکیل ظفر	17
10	سیدنا حسینؓ کا خاندان	محمد شاکر عزیر	19
11	سیدنا عثمان غنیؓ پر اعتراضات کی حقیقت	محمد احمد معاویہ	21
12	بابو جی کا پاکستان	میاں محمود الحسن بالاکوٹی	24
13	مرکزی تربیتی کنونشن	عبدالروف چوہدری	29
14	بزم نقیب طلبہ	نصیر احمد عثمانی، مانسہرہ	31
15	سدا رہے آباد ایم ایس او	محمد حسن کھرل	32
16			

سرکولیشن مینیجر عمر فاروق

قیمت فی شمارہ -/60 روپے صرف

naqeebetalaba.isb@gmail.com

+92 311 4233952

@Naqeeb_tulaba

Disigned by: Shakir Online Designing Shop

علمی فکری اور نظریاتی جدوجہد کا امین

نقیبِ طلبہ

اسلام آباد

MSO

News Letter

جلد نمبر 16 جولائی، اگست 2023 شمارہ نمبر 4

چیف ایڈیٹر

میاں محمود الحسن

ایڈیٹر

عبدالروف چوہدری

مجلسِ مشاورت

مولانا جہان یعقوب (ایڈیٹر اخبار المدارس کراچی)

مولانا عبدالقدوس محمدی (مذہبی سکالر)

سمیع ابراہیم (سینئر اینکر پرسن و پریذیڈنٹ بول نیوز)

رانا طاہر محمود (سینئر تجزیہ نگار، سابق ایڈیٹر اے آر وائی)

عبداللہ حمید گل

متین خالد (مصنف و مؤلف)

عبدالستار اعوان (صحافی و کالم نویس)

عظمت علی رحمانی (کالم نگار و صحافی)

خاور چوہدری (کالم نگار)

فیصل جاوید خان (صحافی)

مولانا عبدالرازق

عبدالباسط غفران

مجلسِ ادارت

شہزاد احمد عباسی

دانش مراد

مولانا محمد احمد معاویہ

مفتی تنویر احمد اعوان

قانونی مشیر

ملک مظہر جاوید ایڈووکیٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

نیاز اللہ خان نیازی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

درس قرآن

اے ایمان والو! مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ، بے شک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں شہید کر دیے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ (سورہ بقرہ)

درس حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے اپنے سب بندوں پر نظر ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب کو سب قلوب سے بہتر پایا، ان کو اپنی رسالت کے لیے مقرر کر دیا، پھر قلب محمد کے بعد دوسرے دلوں پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کے لیے پسند کر لیا۔

حمد باری تعالی

کہاں میں بندۂ عاجز کہاں حمد و ثنا تیری
حدودِ عقل سے بڑھ کر ہے عظمت اۓ خدا تیری

تو خالق ہے تو رازق ہے، تو باسط ہے تو قادر ہے
ثنا خوانی میں ہیں سرشار یہ ارض و سما تیری

نمایاں ہے ترا جلوہ بہاروں چاند تاروں میں
منور کر رہی ہے سارے عالم کو ضیا تیری

تو ہی تو ہے فقط تو ہی تو ہی اول سے آخر تک
کہ اک اک ابتدا تیری، ہے اک اک انتہا تیری

کوئی اک سانس بھی مرضی سے اپنی لے نہیں سکتا
کسی کا کچھ نہیں یارب فنا تیری، بقا تیری

بیاں ابنِ حسنؔ کیسے کرے لطف و کرم تیرا
خزاں تیری یہ گل تیرے، فضا تیری، ہوا تیری

ابن حسنؔ بھٹکلی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زمیں سے آسماں تک اک عجب سا نور چھایا ہے
ہدایت کا لیے مژدہ شہِ ابرار آیا ہے

درِ احمد پہ جانے والو میرا حال دل کہنا
ترے عاشق نے دامن اپنا اشکوں سے سجایا ہے

تمہارے در پہ جو بھی آیا وہ خالی نہیں لوٹا
ہمیشہ بے کسوں کو آپ نے سینے سے لگایا ہے

میں بھی دیکھوں سہانی نگری آقا کی یہ ارماں ہے
جہاں آقا نے امت کے لیے رب کو منایا ہے

مجھے بھی کاش کر لیں وہ مکیں اپنے مدینے کا
ہاں دیوانہ مدینے کی غلامی کرنے آیا ہے

تو اول ہے تو ہی آخر خدا نے یہ بتایا ہے
تمھارے سر پہ رب نے تاج سرداری سجایا ہے

تمنا ہے سحر کی نعتیں آقا کی لکھے ہر دم
مدینے کی محبت سے یوں دل اس نے بسایا ہے

بنت یامین سحر

اداریہ

تعلیم و تربیت کا حسین امتزاج

مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان علمی، فکری، نظریاتی طلبہ پر مشتمل ایک خودمختار سٹوڈنٹس تنظیم ہے جو غلبہ اسلام واستحکام پاکستان کے لیے عملی طور پر کوشاں ہے۔ ایم ایس او پاکستان میں دیگر شعبہ جات کے ساتھ ساتھ تربیتی امور کا مستقل ایک شعبہ موجود ہے جس کے تحت کارکنان وذمہ داران کی علمی، فکری، نظریاتی تربیت کے لیے وقتاً فوقتاً لٹریچر کی اشاعت اور تربیتی پروگرامات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

یونٹ سطح پر تربیتی نشستوں سے لے کر مرکزی سطح تک ایک مکمل نظام تربیت موجود ہے۔ اسی نظام تربیت کے تحت سیشن کے آخر میں ملک بھر کے ذمہ داران وکارکنان کے لیے "مرکزی تربیتی کنونشن" کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ سیشن 2022/23 کے اختتام پر مرکزی کنونشن بھوربن مری میں منعقد ہوا جس میں ایم ایس او کے ذمہ داران، جید علماء کرام، خانقاہی نظام سے وابستہ شیوخ، ڈاکٹرز، وکلاء، ماہرین تعلیم اور قومی قیادت نوجوانوں کی ذہنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے اپنے قیمتی ملفوظات اور تجربات سے نوازتی ہے اور ہر سپیکر کی گفتگو کے آخر میں اسی عنوان کی مناسبت سے سامعین کی دلی تسلی کے لیے سوال وجواب کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تا کہ اس عنوان سے متعلق اگر کوئی ابہام رہ گیا ہو تو سوال کے ذریعے سے اسے دور کیا جاسکے۔

مرکزی تربیتی کنونشن کے موقع پر سیشن کا اختتام ہوجاتا ہے اور ملک بھر کی یونٹ سطح سے لے کر مرکزی عاملہ تک تمام باڈیاں تحلیل کر دی جاتی ہیں۔ کنونشن کے آخری سیشن میں نئی مرکزی عاملہ کا انتخاب ہوتا ہے جس میں سب سے پُرکشش اور منتظر لمحہ "نومنتخب ناظم اعلیٰ" کے اعلان کا ہوتا ہے۔ جو کارکنان کے لیے کسی بڑی خوشی سے کم نہیں ہوتا۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب تمام ذمہ دار وکارکنان تخمینے لگا رہے ہوتے ہیں کہ فلاں صاحب ناظم اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوں گے۔ بسا اوقات کارکنان وذمہ داران کے تخیلات درست بھی ثابت ہوجاتے ہیں اور اکثر یوں ہوتا ہے کہ سب کے تخیلات کو رد کرتے ہوئے جب نومنتخب ناظم اعلیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو سب انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور سبھی کی آنکھیں تجسسانہ انداز میں اس عظیم شخصیت کو ڈھونڈ رہی ہوتی ہیں جس کے ناتواں کندھوں پر یہ بارگراں رکھ دیا گیا ہوتا ہے۔

یہ ایم ایس او پاکستان کا طرہ امتیاز اور حسن ہے کہ یہ کوئی موروثی تنظیم نہیں کہ جس میں جو ایک دفعہ ناظم اعلیٰ منتخب ہو گیا وہ اس منصب کو اپنی جاگیر سمجھ کر اس پر قابض ہوجائے۔ بلکہ یہاں ہر سیشن میں مرکزی عاملہ اور بالخصوص ناظم اعلیٰ کی کارکردگی کو چیک کیا جاتا ہے اسی کے انحصار پر موجودہ ناظم اعلیٰ کو آئندہ سیشن کے لیے منتخب یا تحلیل کیا جاتا ہے۔ ایم ایس او پاکستان میں کوئی بھی ذمہ دار زیادہ سے زیادہ تین سیشن ناظم اعلیٰ کے منصب پر کام کرسکتا ہے۔ جس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہر سال سیشن کے آخر میں ناظم اعلیٰ اور اس کی پوری کیبنٹ کا احتساب ہوتا ہے اور نئے سرے سے اگلے سیشن کے لیے دوبارہ انتخاب کیا جاتا ہے۔

غلبہ اسلام واستحکام پاکستان کا نصب العین رکھنی والی تنظیم وطن عزیز پاکستان کو مستحکم، مضبوط اور ترقی یافتہ اسلامی ریاست کے طور پر دیکھنا چاہتی ہے اور نوجوانوں کی ایسی کھیپ تیار کر رہی ہے جو وطن عزیز کے لیے امید کی کرن بن کر چمکیں اور وطن عزیز پاکستان کو اندرونی وبیرونی ہر قسم کی سازشوں سے پاک کر کے دم لیں۔ یوم آزادی کے موقع پر ایک بار پھر ہمیں تجدید عہد کرنا ہوگا کہ وطن عزیز کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کریں گے اور وطن عزیز کی طرف بری نظر دیکھنے والی ہر آنکھ کا تعاقب کریں گے ان شاءاللہ۔

مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان سیشن 2023/24 کے نومنتخب ناظم اعلی سردار مظہر اور ان کی پوری عاملہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ وہ گزشتہ سیشن کی طرح اس سیشن میں بھی مثالی کارکردگی پیش کریں گے اور طلبہ برادری کو ان کی ذمہ داریوں سے روشناس کراتے ہوئے ہر میدان میں ان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں گے۔

سیرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

مفتی عتیق الرحمن

نام عثمان والد کا نام عفان اور لقب ذوالنورین تھا۔آپ کا نسب مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک کی پانچویں پشت سے جاملتا ہے یعنی عبد مناف کے دو بیٹوں میں ایک کی اولاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے کی اولاد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان۔آپؓ کی والدہ اروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم کی صاحبزادی تھیں،یہ وہی ام حکیم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئیں تھیں غرض کہ والد اور والدہ دونوں کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت قریبی قرابت رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت پہلے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنھما سے ایک رات قبل اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپؓ کے نکاح میں آئیں، پہلے حضرت رقیہؓ کا نکاح آپ سے ہوا ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی آپ ہی سے ہوا۔قد آپ رضی اللہ عنہ کا متوسط اور رنگ سفید مائل زردی تھا۔چہرے پر چیچک کے کچھ نشانات تھے۔داڑھی گھنی اور سر پر زلفیں رکھتے تھے۔اخیر عمر میں زرد خضاب لگایا کرتے تھے قبل از اسلام اور بعد میں بھی قریش میں بڑی عزت تھی۔ حیادار اتنے تھے کہ اگر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پائنچے اونچے کر کے بیٹھے ہوتے اور آپ تشریف لاتے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پائنچے مبارک نیچے کر لیتے اور فرماتے کہ جس بندے سے اللہ بھی حیا کرتے ہیں مجھے اس سے حیا آتی ہے۔(او کما قال) سخاوت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، خلفاء راشدین میں تیسرا نمبر آپ کا ہے،حضرت عمرؓ کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے۔

ایک مدت تک کتابت وحی کی خدمت بھی آپ کے سپرد رہی اور یہ وہ خدمت ہے جس کی تعریف قرآن مجید میں بھی آئی ہے،اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجی خطوط لکھنا بھی آپ ہی سے متعلق تھا۔تمام اعمال صالحہ میں اللہ کی طرف سے خصوصی توفیق تھی۔نماز تہجد کا یہ عالم تھا کہ بہت تھوڑی سی دیر آرام فرماتے،قریب قریب ساری رات عبادت ونماز میں گذر جاتی۔روزانہ تہجد میں ایک قرآن کی تکمیل کا معمول تھا۔دن بھر روزہ رکھنے کی عادت تھی، چنانچہ یوم شہادت کو بھی روزے سے تھے۔مسجد نبوی پہلے بہت چھوٹی تھی اس کے ساتھ ایک زمین تھی جس کے متعلق حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس زمین کو خرید کر میری مسجد میں شامل کریگا اسکو جنت ملے گی، چنانچہ حضرتِ عثمان غنیؓ نے بیس یا پچیس ہزار میں وہ زمین خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دی۔جب ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو بدر سے لیکر تبوک تک تمام غزوات میں شریک رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں نے عرض کی کہ اپنا جانشین کسی کو مقرر کر دیجیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ چھ 6 شخص ہیں۔حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ حضرت سعد حضرت عبدالرحمان حضرت سعد بن ابی قاص رضی اللہ عنھم اجمعین۔ان سے زیادہ کوئی خلافت کا مستحق نہیں ہے۔چنانچہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا گیا ان دنوں حج کا

موسم تھا، انہوں نے خفیہ طور پر ہر مسلمان کی رائے لی وہ فرماتے ہیں کہ مجھے دو بندے بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں ۔لہذا بغیر کسی اختلاف اور نزاع کے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا سب نے ان کے دست مبارک پہ بیعت کر لی اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ بھی ان کے دور میں جاری رہا۔ آپ کے دور خلافت میں دو قسم کی فتوحات ہوئیں۔

پہلا یہ کہ وہ ممالک جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مفتوح ہو چکے تھے بعد میں باغی ہو گئے، ان ممالک کو دوبارہ فتح کیا گیا جن میں ہمدان کے لوگ باغی ہو گئے تھے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے ہاتھوں دوبارہ یہ فتح ہوا اسی طرح اسکندر، یہ اذربائیجان اور آرمینیا بھی مفتوح ہوئے۔

دوسرا وہ ممالک جہاں جدید طور پر جہاد ہوا اور مقامات اسلام کے قبضہ میں آئے۔ افریقہ کی جنگ عظیم جو تاریخ میں حرب العبادلہ کے نام سے مشہور ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ کو فتح کرنے کیلئے حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کی حکومت عطاء فرمائی اس زمانے میں افریقہ کا حاکم قیصر روم کی طرف سے جریر نامی شخص تھا طرابلس سے لیکر طنعہ تک اس کی حکومت تھی، مسلمانوں سے مقابلہ کیلئے ایک لاکھ بیس ہزار سوار اس نے فراہم کئے۔ ادھر حضرت عثمانؓ نے ایک فوج مرتب کر کے روانہ کر دی اور حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مصر سے ایک بڑی فوج روانہ کی یہ سب اسلامی فوجیں افریقہ پہنچیں، چالیس دن تک لڑائی جاری رہی چند روز کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو کمک کیلئے روانہ کیا اور تاکید فرمائی کہ جلد افریقہ پہنچ کر اپنے بھائیوں کی مدد کرو جب یہ فوج افریقہ پہنچی تو کافروں کے حوصلے پست ہو گئے اور جریر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا اور افریقہ فتح ہوا۔

افریقہ فتح ہونے کے بعد مسلمان مغرب کی طرف بڑھے بالآخر طرابلس اندلس اور مغرب کے تمام شہر مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ ایران کے بعض حصے بھی آپ کی خلافت میں فتح ہوئے اور قیصر روم بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں مارا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے متعلق فرمایا کہ میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرا رفیق جنت میں عثمان ہے۔ (ترمذی) حضرت عبدالرحمان بن ثمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں اپنی آستین میں رکھ کر لائے جس وقت تبوک کا سامان جمع فرما رہے تھے اور اشرفیاں حضور کی گود مبارک میں ڈال دیں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا کہ وہ اشرفیوں کو الٹتے پلٹتے رہے اور فرمایا کہ اب عثمان کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا دوبارہ یہ فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضور ﷺ احد پہاڑ پہ چڑھے آپ کے آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنھم بھی تھے پہاڑ ہلنے لگا تو حضور نے اپنا پاؤں مبارک سے اشارہ فرما کر کہا اے احد ٹھہر جا تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید ہیں (صحیح بخاری) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہیکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رسول اللہ کے قاصد بن کر گئے ہوئے تھے لوگوں نے بیعت شروع کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اسکے رسول کے کام سے گئے ہیں لہذا انکو بھی بیعت میں شریک کرنا ضروری ہے پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ مبارک پہ رکھا اور فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ جو عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے تھا لوگوں کے ان ہاتھوں سے جو اپنے لئے تھے بہتر تھا (ترمذی)

11 سال 11 ماہ 18 دن مسند خلافت کو رونق دینے کے بعد 18 ذی الحجہ 35 ہجری کو بڑی مظلومیت کے ساتھ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

قیدی نمبر 650......!!!

سید عدنان اکبر گیلانی

جیل کے ایک سیل سے مستقل چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتیں۔معلوم پڑتا تھا کہ اس خاتون قیدی پر بےپناہ تشدد کیا جاتا تھا۔لب و لہجے چیخ و پکار سے ہم اس نتیجے پہ پہنچے کہ یہ قیدی کوئی پاکستانی خاتون ہیں۔

مذکورہ بالا انکشاف بگرام جیل سے بحفاظت فرار ہونیوالے چار عرب قیدیوں نے کیا۔انہوں نے جبر کی سیہ راتوں کے دل دہلا دینے احوال بھی بتائے۔اس انکشاف کے بعد بات کھلنے لگی اور یوں عقدہ کھلا کہ پانچ سال سے لاپتہ عافیہ صدیقی بگرام جیل افغانستان جو کہ امریکہ کے زیر انتظام تھی میں قید ہیں۔

قارئین!ڈاکٹر عافیہ صدیقی 2 مارچ 1972ء کراچی میں پیدا ہوئیں۔آپ نے پرائمری و مڈل تعلیم کراچی میں حاصل کی۔بعد ازاں آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک چلی گئیں۔ڈاکٹر عافیہ صدیقی بلا کی ذہین و فطین طالبہ تھیں۔آپ نے امریکہ کی نامور یونیورسٹیز ایم آئی ٹی اور برینڈیز یونیورسٹی سے نیورو سائنس میں پی ایچ ڈی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔آپ کے پروفیسرز آپ کی لیاقت کے قائل تھے۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے مشہور زمانہ پروفیسر نوم چومسکی کا کہنا تھا کہ "عافیہ اپنی ذات میں خود اک ادارہ ہے،یہ جہاں بھی جائے گی تبدیلی لائے گی۔"

زمانہ طالبعلمی ہی سے آپ کا رجحان مذہبی تھا۔آپ سکارف لیتیں اور اپنے لیکچرز میں اسلام کی دعوت و ابلاغ کا فریضہ بھی سرانجام دیتیں۔آپ سوشل ورک پہ بھی بہت توجہ دیتیں۔ڈاکٹر فوزیہ نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا کہ امریکہ میں قیام کے دوران ڈاکٹر عافیہ صدیقی پاکستان کے نظام تعلیم میں بہتری کے لیے بہت فکرمند رہتیں۔سو انہوں نے نصاب تعلیم پہ کام شروع کیا جس کے اندر جدید علوم پہ دسترس،تمام مذاہب کا تعارف بھی شامل تھا تاکہ طالب علم خود ہی اسلام کی ابدی حقانیت سے روشناس ہو سکے۔اس مجوزہ نصاب تعلیم کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ ڈگری مکمل کرنے تک طلبہ جدید علوم کے ساتھ ساتھ قرآن کے معانی و مفاہیم،اور اس کے علوم و عرفان سے بھی آگاہ ہو چکا ہوتا۔

امریکہ میں اس بلند فکر،مظبوط نظریئے کے ساتھ سوشل ورک،لیکچرز میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے کاوشیں،بہترین نیورو سرجن ڈاکٹر اور ایک مسلمان خاتون میں ان گنت خوبیاں امریکی تھینک ٹینک کو کھٹکنے لگیں۔بعد ازاں ڈاکٹر عافیہ اپنے خوابوں کی تعبیر کے لیے وطن واپس لوٹ آئیں۔۔اک روز وہ اپنے بچوں کے ہمراہ کراچی ایئرپورٹ کے لیے نکلیں تو انہیں اٹھا لیا گیا۔یہ واقعہ 30 مارچ 2003ء کا ہے۔پانچ سال تک لاپتہ عافیہ صدیقی بابت کوئی علم نہ تھا۔سنہ 2008ء میں معلوم پڑا کہ عافیہ بگرام جیل میں امریکی حراست میں قید ہیں۔سنہ 2010ء میں مختلف مقدمات کی

پیروی کرتے ہوئے بیسروپا الزامات کو بنیاد بنا کر امریکی جج نے ’’گلٹی آف آل چارجز‘‘ کے ریمارکس دیئے۔۔انصاف کے نام پہ بدترین شب خون مارا گیا اور انسانی تاریخ کا بدنام زمانہ فیصلہ سناتے ہوئے انہیں چھیاسی برس قید کی سزا سنادی گئی۔۔

قارئین !!عافیہ کا کیس پاکستانی حکمرانوں اور ملک کے کرتا دھرتا فرعونوں کی شقاوت قلبی، اغیار کی کاسہ لیسی اور چاپلوسی و چاکری کا، آئینہ دار ہے۔جنہوں نے محض چند ٹکوں کی خاطر پاکستان کی بیٹی کا سودا کیا۔ضمیر فروشی، بے حمیتی اور طاغوت کی حاشیہ برداری کی ایسی بدترین مثال تاریخ انسانی میں کہیں نہیں ملتی۔۔

بیس برس گزر گئے۔ حکام کی بے حمیتی کا ننگا ناچ جاری رہا۔اسی دوران ان کی بوڑھی والدہ بیٹی کی راہ تکتی، امید و انتظار کی فکر سے آزاد ہو کر منوں مٹی تلے دفن ہو گئیں۔۔بیس سال بعد ہونیوالی ملاقات چرچا میں ہے۔اس ملاقات میں کرب کی ایک داستان ہے۔جبر کا اک سیہ باب ہے جسے قلمبند کرنے کی سکت نہیں ہے۔عزم و ہمت کی مجسم تصویر، پیکر صدق و وفا، صدیق اکبرؓ کے خانوادے کی حقیقی وارث بیس سال بعد زنجیروں کی جھنکار میں ملاقات کے لیے لائی گئیں، ڈاکٹر عافیہ سر پہ سکارف لیے ہوئے قیدیوں والا خاکی سوٹ پہنے اک موٹے شیشے کے عقب سے بہن کے روبرو تھیں۔

ڈاکٹر فوزیہ کے بقول ان کا چہرہ بائیں جانب سے جھلسا ہوا ہے۔سر پہ چوٹ کے باعث قوتِ سماعت میں بھی فرق ہے۔سامنے کے چار دانت مارے تشدد کے ٹوٹ چکے ہیں۔

پہاڑ ظلم کے تجھ پر جو آہ ٹوٹے ہیں
ہر ایک آنکھ سے رہ رہ کے اشک پھوٹے ہیں

وہ بار بار یہ کہتیں کہ مجھے امی جان اور بچے بہت یاد آتے ہیں۔انہیں کیا معلوم کہ ماں جی اللہ کے حضور پیش ہو چکیں اور چھ ماہ کے معصوم سلمان بابت علم ہی نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا شہید ہو چکا۔

ان کا یہ جملہ کہ ’’مجھے اس جہنم سے نکالو‘‘ ساری مسلم امہ کے لیے باعث ننگ ہے، جس امت کا طرہ یہ ہوا کرتا تھا کہ اک بیٹی کی پکار پر عرب سے مسلمانوں کے لشکر نے سندھ پہ یلغار کی وہاں اس دھرتی نے یہ دن بھی دیکھے کہ ہم نے طاغوت کی کاسہ لیسی، وظیفہ خوری اور دلالی میں اپنی بیٹیوں، بیٹوں کے سودے کیئے۔زمین کے خداؤں کو خبر ہو کہ بالآخر یہ وقت بھی گزر جائے گا۔تاریخ میں ڈاکٹر عافیہ کی عزم و ہمت اور ستقامت کی مثالیں تا ابد جگمگاتی رہیں گیں۔ بیٹیوں کے سوداگروں کا کوئی نام لیوا نہ ہو گا۔ہر دور میں ان دلالوں پہ لعنت ملامت کی جائے گی۔طاغوت کے سامنے رالیں ٹپکانے والے بے ضمیروں کے ماتھے پہ ضمیر فروشی کا یہ داغ ہر گزرتے دن کے ساتھ بدنما ہوتا چلا جائے گا۔ ❁❁❁

زمین کے خداؤں کو خبر ہو کہ بالآخر یہ وقت بھی گزر جائے گا۔تاریخ میں ڈاکٹر عافیہ کی عزم و ہمت اور ستقامت کی مثالیں تا ابد جگمگاتی رہیں گیں۔ بیٹیوں کے سوداگروں کا کوئی نام لیوا نہ ہو گا۔ہر دور میں ان دلالوں پہ لعنت ملامت کی جائے گی۔

سیدنا حسین ؓ بن علی ؓ کا مقام و مرتبہ

حافظ محمد شعیب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہجرت کے چوتھے سال تین شعبان المعظم کو ہوئی۔ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی تو آپ تشریف لائے اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت فرمائی اور اپنی زبان مبارک کو حضرت حسین ؓ کے منہ میں دے دیا۔ ساتویں دن حضرت حسین ؓ کا عقیقہ کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرشفقت گود میں حضرت حسین ؓ بن علی ؓ نے پرورش پائی۔ یہ وہ گود تھی جو اسلام کا گہوارہ تھی وہ حسنین ؓ کی تربیت کا گہوارہ بنی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت حسین بن علی سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نواسے کو گود میں بٹھا کر لبوں کو بوسہ دیتے اور ساتھ یہ فرماتے کہ الٰہی میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان سے محبت رکھے اس کو اپنا محبوب بنا لے۔ (جامع ترمذی)

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں حسنین کریمین کے فضائل کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے حسن ؓ اور حسین ؓ سے محبت کی اس نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی اور جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

ایک موقع ایسا آیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز حضرت حضرت حسین ؓ بن علی ؓ کی وجہ سے اپنے سجدے کو طول دیا۔ جس کو امام نسائی نے حضرت عبداللہ ؓ بن شداد سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کی نماز کے لیے ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ آپ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہا کو اٹھائے ہوئے تھے، اسی حال میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور انہیں بٹھا دیا پھر آپ نے نماز کے لیے تکبیر فرمائی اور نماز ادا کرنے لگے۔ دوران نماز آپ نے سجدہ کو طویل فرمایا۔ میرے والد کہتے ہیں کہ میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں ہیں اور شہزادہ آپ کی پشت انور پر سوار ہیں تو میں پھر سجدہ میں چلا گیا۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے نماز میں سجدہ اتنا دراز فرمایا کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی واقعہ پیش تو نہیں آ گیا یا آپ پر وحی الٰہی کا نزول ہو رہا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح کی کوئی بات نہیں سوائے یہ کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا اور جب تک وہ اپنی خواہش سے نہ اترتے مجھے عجلت کرنا ناپسند ہوا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی خاطر خطبہ موقوف فرما دیا۔ یہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں نقل کیا ہے کہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ ؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو بریدہ ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطاب فرما رہے تھے کہ حسنین کریمین رضی اللہ

عنہما سرخ دھاری دار قمیض زیب تن کیے لڑکھڑاتے ہوئے آرہے تھے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو گود میں اٹھا لیا اور دوبارہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے، میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ سنبھل سنبھل کر چلتے لڑکھڑاتے ہوئے آرہے ہیں مجھ سے صبر نہ ہوسکا یہاں تک کہ میں نے اپنے خطبہ کو موقوف کر کے انہیں اٹھا لیا۔

اپنے دونوں لاڈلے نواسوں کے آنسو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برداشت نہیں ہوتے تھے جیسا کہ ایک روایت ہے کہ: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور خانہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا کہ بیٹی کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ان کا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ یہ تو تھا اللہ کے رسول کا اپنے پیارے نواسے حسین کے ساتھ محبت کا عالم کہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں اپنے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مشابہت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حضرت فاطمہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں اور دونوں شہزادے بھی آپ کے ہمراہ تھے، جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض یا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ کے شہزادے ہیں انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن میرے جاہ و جلال اور سرداری کا وارث اور حسین میری جرات و شجاعت کا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سے احادیث میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت اور شہادت کی پیشین گوئی موجود ہے۔ ایک روایت جو مشکوۃ المصابیح میں درج ہے کہ حضرت ام الفضل بنت حارثؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے نبی محترمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ میں نے آج رات کو ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔ سرکار کے معلوم فرمانے پر مزید عرض کرنے لگیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا کاٹ دیا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ ان شاء اللہ حضرت فاطمہ کے ہاں صاحبزادے کی ولادت ہوگی جو آپ کی گود میں آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تولد ہوئے اور میری گود میں آئے۔ جس کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ پھر ایک روز

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطاب فرما رہے تھے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سرخ دھاری دار قمیض زیب تن کیے لڑکھڑاتے ہوئے آرہے تھے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو گود میں اٹھا لیا اور دوبارہ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے۔

بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو میں دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہیں میں نے سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے کہ جبرائیل علیہ السلام نے میری خدمت میں حاضر ہو کر مجھے آگاہ کیا ہے کہ عنقریب میری امت کے کچھ لوگ میرے اس بیٹے کو شہید کر دیں گے میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ کیا وہ اس شہزادے کو شہید کر دیں گے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جبرائیل امیں نے مجھے اس مقام کی سرخ مٹی لا کر دی ہے۔

حضرت عباس بن عبد المطلب ؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک میرے اہل بیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے۔

وہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پاس بلاتے انہیں سینے سے لگاتے اور ان کی خوشبو سونگھتے اور جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا پس اس نے مجھ سے بغض رکھا اور بے شک وہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ حسین ؓ جن کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "الحسین منی وانا من الحسین۔"

بقیہ نئی ایجادات کا استعمال کیسے کریں؟

مسلم معاشرے کے اخلاقی بگاڑ میں گھناؤنا کردار ادا کر رہا ہے۔ جیسے کے ہر محفل و تقریب اور خاص موقع و محل کے وقت تقریباً ہر خاص و عام کے ہاتھ میں یہ شے ضرور نظر آئے گی جو اس موقع کا تلذذ اور مقصد خاک میں دفن کر دیتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ تباہی کے دلدل میں مزید دھنسے ہوئے گانے، فلمیں، نامناسب ویڈیوز اور عریاں اور نیم عریاں تصویر کشی کر کے دل و دماغ میں چسپاں کی جاتی ہیں۔ تصویر کشی تو ایسا میٹھا زہر ہے جو انسان کو اسی کے ہاتھوں موت کی وادی میں دھکیل دیتا ہے۔ نادان شخص کے لئے جہاں سفر اور سیاحت وغیرہ میں تلاوت اور نماز کے لئے وقت دینا مشکل ہے وہاں تصویر کشی کے لئے کئی گھنٹے دینا آسان و سہل ہے۔ اسی طرح کی فضولیات، عیش و عشرت اور تنعم میں پڑنے والے نادانوں کے مستقبل کو شاعر نے کیا خوب انداز میں تسبیح کی لڑی میں پرویا ہے کہ:

آ تجھ کو بتاؤں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس کے علاوہ تصویر کشی نے ایسے اخلاق سوز واقعات رونما کیے ہیں کہ جس کے تحریر کرنے پر قلم لرزتا ہے، کیوں کہ یہ آلہ (کیمرہ) مسلم نوجوان کے اخلاق کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں اور اس کی وجہ سے غیر مسلم تو کیا!!!! مسلم نوجوان بھی بے سوچے سمجھے اپنے ہی ہاتھوں سے سلگائی ہوئی آگ میں تصویر کشی، عریاں اور نیم عریاں تصاویر دیکھنے سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو گنوا رہے ہیں۔ عربی میں ظلم کی تعریف کی جاتی ہے (وضع الشیء فی غیر محلہ ظلم) کہ ایک شے کو اس کے غیر محل میں استعمال کرنا ظلم ہے۔ لہذا حرف آخر یہ ہے کہ نت نئی ایجادات سے فائدہ ضرور حاصل کیجئے۔ لیکن یہ ملحوظ رکھتے ہوئے کہ کہیں اس کا استعمال غلط یا ضرورت سے بڑھ کر تو نہیں ہو رہا۔ ہر شے کا ایک مدار و محور ہوتا ہے۔ اسی میں رہتے ہوئے ہی وہ اپنا مقام پا سکتی ہے۔ ورنہ تو یہ اپنے اور ایجاد کے ساتھ ظلم کرنے کے زمرے میں آئے گا۔

وہ جن کے آنے سے بہار آئی

فیضان شہزاد کراچی

اسلام کی پر کیف وادی میں ایک ایسا نخلِ وفا اگا کے اس کی مہک سے گو کہ سارے چمن میں بہار آ گئی۔۔۔ کچھ کلیوں کے تبسم پر جور کی زنجیریں بندھی پڑی تھیں، کچھ شاخیں کُھل کر کِھل نہیں سکتی تھیں، لیکن اس خوشے نے سر نکالا اور سب گلوں میں شادمانی بھر دی، کھلتے ہی اعلان کیا، میرے کھلنے کے بعد جبر کا کوئی خدا اب اس چمن کو مٹا نہیں سکتا، اب گل کھلیں گے اور کُھل کر کھلیں گے، نبی مکرم رسول اللہ ﷺ کے دامن میں ان کی دعاؤں کے صدقے اسلام کا یہ نڈر سپاہی ایسا آیا کے لسانِ نبوت سے رضائے ربی کا پروانہ لے بیٹھا، اور یہ اکیلا نہیں آیا بلکہ اس کے آنے سے اسلام شرق و غرب میں پھیلا، شام، عراق، ایران، لیبیا، مصر، آرمینیا، خراسان سمیت بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس مربع میل پر اسلام کا علم لہرایا۔

ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل خطاب کے گھر آنکھ کھولنے والے اس بچے نے زندگی کی ابتداء ہی خاندانی روایتوں کے مطابق سپہ گری، تیر اندازی، گھڑسواری وغیرہ سیکھنے سے کی، انساب کی تعلیم اور خطابت کے جوہر ورثے میں ملے، علم کی شمع بھی روشن رکھی، اور پڑھنا لکھنا بھی سیکھ لیا، اپنے بابا کی بکریاں اور اونٹ چرانے والا یہ بچہ اپنے بابا کی ڈانٹ سنتے ہوئے بکریاں چراتا اس بات سے بے خبر کہ اس کے ہاتھوں رب تعالیٰ اپنے عظیم دین کو عزتیں بخشیں گے، اور اس بچے کا ذکر ازل سے ابد تک کتاب ربی میں تابندہ رہے گا!!

اہلِ مکہ کے جبر و ستم بہت بڑھ چکے تھے کہ اسلام کا ٹمٹماتا چراغ ہوا کی تند و تیز موجوں کے سپرد تھا، مگر نورِ الٰہی کب بجھتا ہے؟ ان بجھانے والوں سے۔۔۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینِ متین کی تبلیغ تو کرتے تھے لیکن چھپ کر، کہ ظلم و جور کی آندھیاں تیز تھیں۔۔۔ ایک چاند روشن تھا اور اسکے ارد گرد انتالیس ہالے۔۔۔ کہ ایک شب وہ چاند چالیسویں کے لئے رب کے حضور پیش ہو ہی گیا۔۔۔ بیت اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے محبوب کائنات ﷺ نے اپنے پروردِگار سے عجیب دعا کی، مانگی بھی تو عجب شئے مانگی۔۔۔ ویسے مانگا وہی جاتا ہے جو دل کو عزیز تر ہوتا ہے۔۔۔ اور محبت کا دامن بھرا بھی عزیز تر چیز سے جاتا ہے۔۔۔!!

اس سے قبل کسی کے گوشہ خیال میں یہ بات کہاں ہوگی کہ کیا مانگا جا رہا ہے؟ کیا اسلام کی بڑھوتری کی دعا کی جا رہی ہے؟ اہلِ مکہ کے ایمان لانے کی دعا کی جا رہی ہے؟ پتھر باندھے جسموں کے لئے رزق طلب کیا جا رہا ہے؟ دنیائے عالم میں اسلام کی اشاعت کی دعا کی جا رہی ہے یا اہل مکہ کے ظلم و ستم کی بندش کے لیے ہاتھ اُٹھائے جا رہے ہیں؟؟ لیکن میرے عظیم پیغمبر ﷺ نے دعا کی کہ: "اے اللہ! عمرو ابن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی عزت کا ذریعہ بنادے۔"

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں میں دو لوگوں کو نامزد کیا اور فیصلہ خدائے علام الغیوب پر چھوڑ دیا کہ اللہ! ان دونوں میں

سے جو تجھے پسند ہو وہ دے دے۔۔پسند مانگی تھی تو پسند ہی ملنی تھی۔۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔۔اور عمر رضی اللہ عنہ جیسا جری ان کے قدموں میں دھر دیا!!

وہ ایک عجب صبح تھی، جوشِ جوانی سے لبریز ایک جوان، جو غصے کا ذرا تیز اور مزاج کا ذرا سخت، جنگجو، بہادر اور جری تھا، ایک روز تیغِ برہنہ لیے نکلا، کہ کسی سے کچھ ہونا نہیں، خود ہی جاؤں اور اس نئی ابھرتی لو کا خاتمہ کر آؤں، راستے میں بنو زہرہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ملا، جس نے پوچھا کہ عمر! خیریت! کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: محمد کو قتل کرنے جا رہا ہوں، اس نے نئے دین کا اعلان کر کے مکہ والوں میں تفریق کر دی ہے، برسوں سے پوجنے والے بت اوندھے منہ گرا دیئے ہیں، آباء اجداد کے دین سے دور کر رہا ہے، کیوں نہ اس قصہ کو ہی ختم کر دوں!!

بنو زہرہ سے تعلق رکھنے والے شخص نے کہا کہ: عمر! اگر تم نے ایسا کیا تو کیا "بنو ہاشم و بنو زہرہ" تم سے انتقام نہیں لیں گے؟؟ کہنے لگے: لگتا ہے کہ تم بھی اس نئے دین میں شامل ہو چکے ہو، انہوں نے کہا کہ پھر پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو، تمہاری بہن و بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔

جلال میں نکلنے والا جوان سیدھا بہن کے گھر پہنچتا ہے، یہاں سیدنا خباب بن الارت ؓ ان کے بہنوئی و بہن کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہے ہیں، باہر سے آواز سنی اور دروازہ پر دستک دی، اندر سے پوچھا گیا کون؟ عمر! نام سنتے ہی سیدنا خباب ؓ چھپ گئے، عمر نے آتے ہی پوچھا: تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے بات ٹالتے ہوئے کہا کہ: ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، کہنے لگے: میں نے سنا ہے تم نئے دین میں شامل ہو گئے ہو؟؟ بہنوئی نے کہا کہ: عمر! وہ دین تیرے دین سے بہتر ہے، تو جس دین پر ہے یہ گمراہ راستہ ہے، بس سننا تھا کہ بہنوئی کو دے مارا زمین پر، بہن چھڑانے آئی تو اتنی زور سے اس کے چہرے پر طمانچہ رسید کیا کہ ان کے چہرے سے خون نکل آیا، خطاب کی بیٹی تھی، عمر کی بہن تھی، جری اور بہادر۔۔بہن کے چہرے پہ خون دیکھ کر غصہ ٹھنڈا ہوا اور بہنوئی کو چھوڑ کر الگ ہو بیٹھے اور کہنے لگے کہ: اچھا! لاؤ دکھاؤ، تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟؟ بہن نے کہا کہ: تم ابھی اس کلام کے آداب سے ناواقف ہو، اس کلامِ مقدس کے آداب ہیں، پہلے تم وضو کرو کہ "لا یمسه الا المطهرون" جناب عمر نے وضو کیا اور سورہ طٰہٰ پڑھنی شروع کی، یہ پڑھتے جا رہے تھے اور کلامِ الٰہی کی تاثیر قلب کو متاثر کیے جا رہے تھی۔۔ دل کے گوشوں میں آیات رحمانی اترتی جا رہی تھیں۔۔شب کے نالے اثر دکھا رہے تھے۔۔خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہنے لگے: عمر ؓ! کل رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی تھی کہ: "اللّٰھم اعزّ الإسلام باحد الرجلين إمّا ابن هشام وإمّا عمر بن الخطاب" اور ایک دوسری روایت میں الفاظ کچھ اس طرح سے ہیں کہ: "اللّٰهم ايد الإسلام بابی الحكم بن هشام

> آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے عمر! تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اسلام قبول کرو؟!" بس یہ سننا تھا کہ فوراً کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے کی خوشی میں اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے کفار و مشرکین نے بھی سنا اور اس نعرے کی آواز سے وادیِ مکہ گونج اُٹھی۔

وبعمر بن الخطاب۔" اے اللہ! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے کسی کو اسلام کی عزت کا ذریعہ بنا، یا ان میں سے کسی ایک کے ذریعے اسلام کی تائید فرما" اے عمر! میرے دل نے گواہی دی تھی کہ یہ دعا ئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن خطاب کے حق میں پوری ہوگی۔ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن خطاب یا ابوجہل کو دیکھتے تو رب العزت کے حضور دستِ دعا دراز کرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! ان دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس سے اپنے دین کو قوت عطا فرما۔ (طبقات ابن سعد)

سیدنا خباب بن ارتؓ سے سیدنا عمرؓ کہنے لگے کہ: اچھا! تو مجھے بتاو محمد ﷺ کہاں ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، انہوں نے بتایا کہ: صفا پہاڑی پر واقع ارقمؓ کے مکان میں قیام پذیر ہیں۔ سیدنا عمرؓ چل پڑے، دَرّے پر مقیم صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ عمر آرہا ہے اور ہاتھ میں ننگی تلوار ہے، تو گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کو بتایا، وہیں اسد اللہ ورسولہ سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب بھی تھے، وہ فرمانے لگے: آنے دو، اگر ارادہ نیک ہے تو خیر ہے اور اگر ارادہ صحیح نہیں تو میں اس کی تلوار سے اس کا کام تمام کردوں گا۔

جب سیدنا عمرؓ وہاں پہنچے تو پیغمبر اسلام ﷺ پر نزولِ وحی جاری تھا، چند لمحوں بعد آپ ﷺ نے عمرؓ سے فرمایا: "اے عمر! تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اسلام قبول کرو؟!" بس یہ سننا تھا کہ فوراً کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اصحابِ رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خوشی میں اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے کفار ومشرکین نے بھی سنا اور اس نعرے کی آواز سے وادیِ مکہ گونج اٹھی۔۔ کہ عمر کا آنا ہی ایسا تھا کہ شرق وغرب میں گونج بنتی تھی!!

پھر نبی روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک پر دستِ اقدس رکھا اور دعا فرمائی: "یا اللہ! اس کے سینے میں جو کچھ میل کچیل ہو وہ دور کردے اور اس کے بدلے ایمان سے اس کا سینہ بھر دے۔" (مستدرک للحاکم) قبولِ اسلام کے وقت بعض مؤرخین کے نزدیک آپ کی عمر تیس سال تھی اور بعض کہتے ہیں کہ عمر چھبیس سال تھی۔ مصر کے ایک بہت بڑے عالم مفسرِ قرآن جناب علامہ طنطناویؒ نے عجیب جملہ کہا ہے کہ: "حقیقت یہ ہے کہ عمرؓ اسی گھڑی پیدا ہوئے اور یہیں سے ان کی تاریخی زندگی کا آغاز ہوا۔" مفسرِ قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ: "جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور کہا کہ: آسمان والے عمرؓ کے قبولِ اسلام پر خوشیاں منا رہے ہیں۔" (مستدرک للحاکم وطبقات ابن سعد)

درحقیقت جناب عمرؓ کی ساری حیات ہی اس قدر پرتاثیر اور روشن ہے، کہ ایک ایک گوشہ ایمان والوں کے لئے راہ ہدایت ہے، جس کا آنا ہی اس قدر پراثر، پرجوش اور سرشاری سے بھرپور ہو، اس کی عمر کا ایک ایک پل کس قدر قابل ستائش ہوگا، حقیقت میں وہ اسلام کی آبیاری کے لیے اتارے گئے رب تعالیٰ کے خاص لوگ تھے، جن کی روشن پیشانیاں قرآن کی آیات میں جگمگ کرتی ہیں، جن کی ہیبت وجلال کے قصے "اشداء علی الکفار" اور دوڑتے گھوڑوں کی قسمیں قرآن حکیم کے اوراق میں تاقیامت ثبت ہیں، ان ایمان سے بھرپور جوانوں پر ہماری ساری عمر قربان ہوجائے، تب بھی کم ہے، کہ وہ حقیقی اسلام کے وارث تھے، جن کا آنا اسلام کی عزت بنا ہو، جن کے آنے سے اسلام کی شاخیں پھلی پھولی ہوں۔۔ خدائے وحدت ان کے دفاع میں ہماری عمر کے کچھ پل لگادیں تو یہ اس کی دین اور ہماری خوش بختی ہوگی!!

نئی ایجادات کا استعمال کیسے کریں؟

محمد اطہر فتح پوری

جب سے دنیا آباد ہوئی، ہر زمانے میں کسی نہ کسی فن کا عروج رہا ہے اور خوب ترقی پائی ہے۔ جیسا کہ ہمارا زمانہ صنعت و ایجادات کی ترقی وعروج کا زمانہ ہے۔ ہر روز نت نئی حیرت انگیز ایجادات کے مظاہرے منظر عام پر آتے رہتے ہیں اور یقیناً ان ایجادات کو دیکھ کر انسان کی عقل دھنگ رہ جاتی ہے اور سوچ و بچار کی وادی میں محوِ حیرت ہوتا ہے کہ اس شے کا وجود کیسے ممکن ہوا؟ بلآخر اس کی حیرت کا بت رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہونے کی صورت ختم ہونے کو ہی ہوتا ہے کہ کوئی اور شے سامنے آجاتی ہے اسی طرح ان ایجادات کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ دنیا کے لیے راحت و آسائش کا پیغام تھامے ہوئے ہے یا بنی آدم کے لئے غیر موزوں اور نامناسب ہے۔

دنیا جتنی تیزی سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے وہیں اسے آئے روز نت نئے مسائل کا بھی بڑی تیزی سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جتنا آسائشوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اتنے ہی مسائل کی گھتیاں پیچیدہ ہوتی جارہی ہیں۔ کیمرے کی ایجاد کو ہی لے لیجیے۔ اس ایجاد نے تو دنیا میں ایک ہل چل مچادی ہے۔ ذرا تفصیل سے دیکھا جائے تو کیمرے سے کئی چیزوں کا بندھن بندھا ہے۔ جن میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کرلیا جاتا ہے کیوں کہ مکمل طور پر جائزہ کی تو نا وقت اجازت دے رہا ہے اور نا ہی یہ موضوع و مناسب موقع ہے۔

تصویر کا ایک رخ تو یہ بتاتا ہے کہ یہ انسانوں کے لئے انتہائی مفید ایجاد ہے۔ جیسے کہ اس کے ذریعے خلقِ خدا کی انتہائی اہم ضرورت شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کی صورت میں یا دیگر تعارف و پہچان وغیرہ کی شکل میں پوری ہوتی ہیں۔ دور دراز بیٹھے انسانوں کی منٹوں میں ٹی وی، سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا اور اسی طرح کے دیگر ذرائع وغیرہ سے خبر حاصل کی جاسکتی ہے۔ اعزا و اقارب کی خوشی وغمی کے مواقع کی بر وقت اطلاع مل پاتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ سات سمندر دور بیٹھوں کے فاصلوں اور پردوں کو بھی چاک کر دیتی ہے۔ اس کے ذریعے کئی کام جو گھنٹوں اور کئی دنوں میں ہوتے تھے وہ اس کے آتے ہی منٹوں اور سیکنڈوں میں سرانجام دیے جارہے ہیں۔ اس ایجاد شدہ شے میں مزید روز بروز ترقی ہی ہو رہی ہے جو اچھی اور مفید ہونے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے لئے ایک بڑی تباہی بھی سامنے لا رہی ہے۔ جیسے کہ اس کے ذریعے ویڈیو بنا کر بے بنیاد باتیں، جھوٹ سے مزین گفتگو چند لمحوں میں اطرافِ دنیا میں پھیلا دی جاتی ہیں جس کی وجہ سے ایک تباہی کا سیلاب آتا ہے۔ جو بنی آدم کے اخلاق و آداب کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ اجنبی تو اجنبی، جان پہچان رکھنے والے دست وگریبان ہوتے ہیں، گالم گلوچ کا ایک نارکنے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، نفرتوں کی دیواریں انسانی حقوق کے گرد کھڑی ہوجاتی ہیں۔ وہاں اس کی جدیدیت ہمارے معاشرے اور قوم کے لیے بالخصوص نوجوان طبقے کے لیے فتنہ اور فساد کی جڑ بھی بنتی ہے اور ساتھ ساتھ یہ کیمرہ خاص کر (بقیہ صفحہ نمبر 10)

سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کے پہلو

محمد معاویہ آصف ٹنڈوالہیار

آج کے جدید دور میں ابلاغ کا ایک ایسا ذریعہ عام ہوا ہے جس کو ''سوشل میڈیا'' کہا جاتا ہے جس میں واٹس اپ (Whatsapp) فیس بک (Facebook) یوٹیوب (YouTube) ٹیوٹر (Twitter) اسکائپ (Skype) وغیرہ شامل ہیں۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں سوشل میڈیا کے فوائد اور اس کا استعمال اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ اس کو چھوڑنا یا نظر انداز کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ سوشل میڈیا کی اہمیت وضرورت بڑھتی جارہی ہے۔

اس کی اہمیت وضرورت کو دیکھتے ہوئے آکسفورڈ انٹرنیٹ انسٹی ٹیوٹ کے ولیم ڈٹن نے سوشل میڈیا کو ریاست کا پانچواں ستون قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''ہم ایسی طاقت ور آوازوں اور نیٹ ورکس کو اُبھرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں جو روایتی میڈیا کے برعکس آزادانہ طور پر کام کرسکیں گے۔ سوشل میڈیا کی ایجاد کا بنیادی مقصد زندگی میں سہولت اور تعمیری کاموں میں معاونت تھی دنیا کی ہر ایجاد کے مثبت استعمال کے ساتھ منفی استعمال بھی موجود ہے۔ اسی طرح زمانے کے استعمال میں آنے کے بعد سوشل میڈیا کا منفی پہلو بھی سامنے آ گیا۔

سوشل میڈیا کے استعمال کے چند مثبت پہلو یہ ہیں:

(1) سوشل میڈیا کے ذریعے کاروبار بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس وقت ترقی یافتہ ممالک میں 70 فیصد تک کاروباری بزنس اور آن لائن ہو چکا ہے۔ پاکستان میں بھی 40 فیصد تک کاروباری بزنس ہورہا ہے۔ سوشل میڈیا صارف اپنی پروڈکٹس کے تعارف سے لیکر خرید وفروخت اور ڈلیوری تک سوشل میڈیا کے ذریعے کاروبار چلاسکتا ہے آن لائن ٹیچنگ اور اسکائپ پر ٹیوشن پڑھا کر بھی کمایا جاسکتا ہے۔

(2) سوشل میڈیا کے ذریعے طلباء وطالبات بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں دنیا بھر کے جس موضوع پر معلومات درکار ہوں وہ ایک کلک پر سامنے آجاتی ہیں یوں طلباء و طالبات اپنی استعداد و علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ استاد اور ٹیچر جو سبق پڑھائیں طلباء سوشل میڈیا کے ذریعے اس پر تحقیق، ریسرچ اور مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یوٹیوب پر دنیا بھر کے ماہرین کے لیکچر سن کر اپنی علمی وفنی استعداد بڑھا سکتے ہیں۔ دیہات میں رہنے والے طالب علم بھی سوشل میڈیا کے ذریعے مشرق ومغرب کے ماہر اساتذہ سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(3) بچوں، جوانوں، عورتوں، بوڑھوں اور عام مسلمانوں میں ان کی ضرورت کے لحاظ سے دین کی تعلیم واشاعت اور اخلاقی تربیت کے لئے سوشل میڈیا کو آسانی کے ساتھ مؤثر طریقہ پر استعمال کیا جاسکتا۔ مختلف اداروں کے تحت فہم دین ودیگر آن لائن شارٹ کورسز اس کی عملی تصویر ہیں۔

(4) صحت وعلاج کے شعبہ میں بھی سوشل میڈیا سے مدد لی جاسکتی ہے اس کے ذریعہ ماہر معالجین سے استفادہ کیا جاسکتا ہے وہ اس طرح

کے پاکستان میں ایک ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے ترکی کے کسی ڈاکٹر سے مشورہ لے سکتا ہے۔

(5) پرنٹ میڈیا انٹرنیشنل اور الیکٹرانک میڈیا جھوٹی خبریں بنانے اور پھیلانے، سچی خبروں کو دبانے اور چھپانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں لگا ہوا ہے اور نہایت مہارت اور صفائی کے ساتھ مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کر رہا ہے۔ ان حالات میں سوشل میڈیا کے ذریعہ سچائی کو پیش اور جھوٹ کا پردہ چاک کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ عالمی و ملکی سطح پر کئی واقعات ایسے ہیں جن میں سوشل میڈیا کی حقیقت بیانی نے ظالموں کو شرمندہ کیا ہے۔

(6) مطالعہ کرنے والے باذوق افراد کے لئے سوشل میڈیا ایک نعمت سے کم نہیں کیونکہ بڑے بڑے مصنفین، ادباء، شعراء اور نامور لکھاریوں کا ایک خزانہ انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

(7) سوشل میڈیا کے ذریعے علماء کرام کے بیانات سنیں جاسکتے ہیں وظائف اور اچھی دعائیں بھی یاد کی جاسکتی ہیں۔

(8) بعض نام نہاد اسکالرز جو اسلام اور مقدس شخصیات کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں ان کا آلہ اور دائرہ کار سوشل میڈیا ہی ہے سوشل میڈیا پر ان کا مؤثر طور پر رد کیا جاسکتا ہے۔

(9) سوشل میڈیا کے ذریعے تحریکیں بھی چلائی جاسکتی ہیں۔

2010 میں شروع ہونے والے تیونس کے انقلاب کے پیچھے سوشل میڈیا کا کردار تھا۔

2011 میں لیبیا میں کرنل قذافی کے خلاف جو تحریک اٹھی تھی اس کی ابتداء فیس بک سے ہوئی تھی۔

2016 میں ترکی کے صدر طیب اردگان کے خلاف جو بغاوت ہوئی تھی وہ بھی طیب اردگان کے صرف سوشل میڈیا پر ایک میسج کے ذریعے ہی کچلی گئی۔

بقیہ: نوجوان، مایوسی اور اس کا حل

اور اسباب وسائل کی کم یابی ترقی کے پاؤں جکڑ نہیں سکتی اور مایوسی اپنی موت آپ ہی مرجاتی ہے۔ سلطان محمد فاتح کی قسطنطنیہ کی فتح کے وقت عمر محض 23 سال تھی۔ اس نے اپنی نوخیز جوانی میں سلطنت کو سنبھالا دیا، دقیقہ رسی اور باریک بینی کے ساتھ منصوبہ سازی کی، اس پر عمل درآمد کیا، پر کٹھن حالات میں اس نے میدان عمل میں کود کر کامرانی کی نئی نئی راہیں نکالیں، بازنطینی سلطنت کو شکست دی اور تاریخ میں امر ہو گئے۔ یہ تاریخی کام پتا دیتے ہیں کہ بڑے کارناموں کا تعلق بڑی عمر سے نہیں، عزم مصمم اور جہد مسلسل سے ہوتا ہے۔

نوجوان تاریخ کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو کہ محمد بن قاسم اور سلطان محمد فاتح جیسی کئی مثالیں ہیں۔ کاش کہ ہمارے نوجوان بھائی بھی انہیں اپنا رول ماڈل سمجھیں اور یہ سوچیں کہ ہم بھی ان باہمت نوجوانوں کے ہم عمر اور نام لیوا ہیں۔ یاد رکھیں کہ مایوسی مایوسی کا ورد نہ کریں۔ مایوسی کی چادر پھاڑ ڈالیں، مشکل حالات میں بھی نئے منصوبے تشکیل دیں اور آگے بڑھیں۔ قوم کے نبض شناس بنیں، اپنے اندر خود داری اور کفایت شعاری کی صفات پیدا کریں، تجارت کریں اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کریں اور ملک و ملت کی خدمت کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ ❁❁❁

بقیہ: مرکزی تربیتی کنونشن:

مثالی ضلع اسلام آباد اور نوشہرو فیروز، مثالی مدرسہ یونٹ دارالعلوم کبیر والا، مثالی یونیورسٹی یونٹ جامعہ کشمیر، مثالی ذمہ دار حمزہ صفدر جھنگ اور مثالی کارکن کا ایوارڈ برادر حسنین عباسی کو دیا گیا۔ آخر میں امیر شوری ایم ایس او پاکستان برادر رانا ذیشان نے سیشن 2023/24 کے نئی عاملہ کا اعلان کیا۔ نومنتخب ناظم اعلی کی آخری گفتگو کے بعد دعا سے کنونشن اپنے اختتام کو پہنچا۔ فللہ الحمد

نوجوان، مایوسی اور اس کا حل

مولانا شکیل احمد ظفر

ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں، یہاں ہر طرف مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ایک انجانا سا خوف ہم سب پر مسلط ہے، مستقبل کے بارے میں ایک غیر یقینی صورت حال نے سب کو افسردہ سا کررکھا ہے۔ویسے تو چھوٹے بڑے، مردوزن، جاہل وعالم سبھی پر کسی نہ کسی درجہ میں مایوسی نے اپنے اثرات مرتب کیئے ہیں مگر نوجوان اس لہر کا سب سے زیادہ شکار ہیں۔آج کی نوجوان نسل تعلیم،صحت،سیاست اور معاشرتی عدل سے مایوس نظر آتی ہے۔اسے اسکول وکالج سے مایوسی ہے،لیڈروں و سرمایہ داروں سے مایوسی ہے،صحافیوں رپورٹروں سے مایوسی ہے،تاجروں اور مذہبی راہ نماؤں سے مایوسی ہے،غرض کہ نوجوان ہر طرف سے مایوسی کے جال میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے۔اسے اپنے اندر مخفی صلاحیتوں کا ادراک ہے اور نہ اپنی خوبیوں کا احساس ہے۔ان میں کچھ کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، ملک وملت کا درد ان میں ناپید ہوتا جارہا ہے۔

دو فرضی حکایتیں یا دو ذہن ہمیں مایوسی کی دلدل میں دھکیلتے ہیں:۔ (ا) ہم صرف خوش رہنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں، ہمیں کبھی غم نہیں ہوگا اور ہمیں حکمرانی کرنے اور سونے کے چمچ ہاتھ میں پکڑنے دنیا میں آئے ہیں۔(۲) ہم کبھی اپنے خواہشات پوری نہیں کرسکتے۔ہم محکوم رہیں گے،شکست ہمارا مقدر بن چکی ہے، ہم کبھی جیت نہیں سکتے، ہم اپنی پسند کی چیز حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ دونوں زاویے کسی معتدل اور باہمت نوجوان کے نہیں ہوسکتے۔یہ ایک ہارے ہوئے اور ذہنی بیمار کے خیالات تو ہوسکتے ہیں مگر ایک دانش مند کے کبھی نہیں ہوسکتے۔

آج اکثر وبیشتر نوجوانوں کو ہر وقت ناکامی کا خدشہ لگا رہتا ہے، کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے انہیں کئی ایک خدشات اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ذہن میں رہنا چاہیے کہ ناکامی سے وابستہ دیرینہ پریشانیاں جہاں ایک طرف ترقی میں رکاوٹ بنتی ہیں وہاں دوسری طرف دماغی وجسمانی صحت پہ بھی بُرا اثر ڈالتی ہیں۔

کسی بھی منصوبے پر کام کرنے کے لیے آپ سب سے پہلے جیت کے لیے پرعزم ہوجائیں اور ناکامی کا خوف دل سے نکال پھینکیں۔ I Can not میں نہیں کرسکتا کے حوصلہ شکن جملے کو کسی کونے کھدرے میں دفن کردیں اور "آپ سب کچھ کرسکتے ہیں" کا سفر شروع کریں۔

مذکورہ دونوں احساس کسی بھی انسان کو آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ان کے ہوتے ہوئے ہم بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتے ہیں اور نہ ہی نا مساعد حالات کو اپنے موافق کرسکتے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ مایوسی زندگی کا حصہ ہے۔ہر انسان کو کسی نہ کسی موڑ پر اس کا ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے۔ہم کچھ تجاویز پیش کرتے ہیں جن پر عمل درآمد کرکے مایوسی کو ترقی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

1: ہم اپنی ناکامی کو تسلیم کرنے کی عادت بنائیں اور اِس میں اپنی

ہونے والی کوتاہی کو قبول کریں۔اپنی ناکامیوں سے سیکھنے کے متلاشی ہوں اور آئندہ ناکامیوں کے اسباب سے بچنے کی کوشش کریں۔

2: ناکامی سے بچنے اور کامیابی پانے کے لیے دعا کا اہتمام کرتے رہیں۔دُعا، حیرت انگیز طور پر کامیابیوں سے بھی ہمکنار ہوتی ہے اور ہمیں ''مصائب ومشکلات'' کے بھنور سے بھی نکال دیتی ہے، ہمیں آگے بڑھنے کے لیے راہیں بھی فراہم کرتی ہے اور خوش حال زندگی کے قرینے بھی دکھلاتی ہے۔دعائیں کیجیے بھی اور دعائیں لیجیے بھی۔اپنی پریشانیاں اللہ کے حضور رکھیے اور اللہ کریم سے باتیں کیجیے!ان شاءاللہ بگڑتی بنتی جائے گی۔

3: سوچ کو دماغ کے جذباتی حصے سے منطقی حصہ پر منتقل کرنے کی کوشش کریں۔انسان جب جذباتیت کے رو میں بہتا چلا جاتا ہے تو اس کے اردگرد مایوسی کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے۔منطقی انداز سے سوچیں اور مسئلے کا مناسب حل نکالیں۔

4: جونہی مایوسی ہونے لگے تو کا ایک اچھا منصوبہ تخلیق کریں اور اس میں جت جائیں۔اس طریقے سے مایوسی کے بادل چھٹ جائیں گے اور ایک امید کی شمع آپ کی منتظر ٹھہرے گی۔

5: اس چیز سے جتنا دور ہوسکتے ہیں ہوجایئے جو آپ کے لیے مایوسی کا سبب بن رہی ہے۔اگر کوئی گناہ آپ کی مایوسی کا باعث بنتا ہے تو اس سے جان چھڑائیں اور نیکی کی راہ پر گامزن ہوجائیں۔

6: وقت پر کام کریں اور اس کام کو جلد از جلد پائیہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

اس حقیقت کا کون انکار کرسکتا ہے کہ نوجوان ملک وملت کے لیے ریڈھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ طبقہ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے ''بنیاد کا پتھر'' ثابت ہوتا ہے۔جس تحریک کی طرف نوجوانوں کے قدم اٹھ جائیں تو وہ تحریک کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیتی ہے۔نوجوان،قوم کا مستقبل ہوتے ہیں اور یہ انقلاب کی نوید بنتے ہیں۔احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے،انہیں آگے بڑھنا چاہیے اور ہمت وحکمت سے کام لینا چاہیے،اپنے بڑوں اور اساتذہ کے مشورے سے چلنا چاہیے،انہیں مضر صحت اقدامات سے بچنا چاہیے اور ان تمام چیزوں سے بھی خود کو بچانا چاہیے جو ان کا کردار داغ دار کرتی ہیں۔

انہیں مایوسی نہیں،امید کا دیا روشن رکھنا چاہیے،انہوں نے دوسروں کے دکھوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پہ اٹھانا ہے اس لیے وہ سب سے پہلے تعلیم کو ''مطمح نظر'' بنائیں،اپنی تربیت پر توجہ مرکوز رکھیں،سوشل میڈیا کا استعمال کم کریں اور وہ بھی مفید استعمال کریں،والدین بہن بھائیوں اور دوستوں کی خوشیوں کا خیال رکھیں،صداقت کو اپنا نصب العین بنائیں،دیانت کو اپنا شعار سمجھیں،دین،وطن اور قوم کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیں اور اس پرندے کی طرح بننے کی جستجو کرتے رہیں جو خود اپنی خوراک کا بندوبست کرتا ہے اور دوسرے اپاہج اور معذور پرندوں کے منہ میں بھی دانہ پانی پہنچاتا ہے۔آج کے نوجوانوں کو ان نوجوانوں کی زندگیوں سے سیکھنا چاہیے جن کے کارناموں پر مسلم امہ نازاں ہے اور تاریخ ان کی بلند پایہ خدمات کا تذکرہ خوب صورت الفاظ میں کرتی ہے۔محمد بن قاسم سترہ سالہ جوان ایک آئیڈیل شخصیت کے طور پر ہمارے سامنا رہنا چاہیے۔کیسے قوم کے اس عظیم سپوت نے راجہ داہر جیسے بڑے ظالم اور عیاش فرماں روا کے غرور کو خاک میں ملایا اور اسلامی تعلیمات کو ہند و سندھ میں عام کردیا۔کہا جاتا ہے کہ قد و قامت اہم نہیں ہوتی۔ہمت حوصلہ،مردانگی،شجاعت،حکمت ودانائی اور دوراندیشی ایک کامیاب انسان کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتی ہیں۔اگر ارادے مضبوط اور حوصلے جوان ہوں تو بے سروسامانی (بقیہ صفحہ نمبر:16 پر)

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا خاندان

محمد شاکر عزیر

اللہ تعالیٰ نے خاندان اور قبائل پہچان کے لیے بنائے ہیں، اس لیے محض قومیت کی بنیاد پر کسی کی تعریف و تنقیص جائز نہیں۔ لیکن خاندانوں میں مخصوص حالات، جغرافیہ محلِ وقوع اور رویوں کی وجہ سے کچھ ایسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کی پہچان بن جاتی ہیں۔ ان کے افراد اپنے اخلاق و کردار کی بنا پر ضرب المثل بن جاتے ہیں اور اپنے ہم عصروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ قریش کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اس خاندان کے افراد بہادر، شجاع، مہمان نواز، سخی، وعدے کے پکے اور وفادار تھے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد ان میں مزید صفاتِ محمودہ پیدا ہو گئیں، مثلاً: حق پرستی، ایثار پسندی، نرم دلی، عبادت گزاری، تصلب فی الدین، رعایا پروری، حسنِ سلوک، ایمان داری اور رضاءِ الٰہی کی طلب گاری وغیرہ۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریشی ہونے پر فخر تھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ لامحالہ آپ میں بھی یہ ساری صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ کے ننھیال و ددھیال اور سسرالی رشتہ داری کی نجابت و شرافت نے آپ کی شان و شوکت میں مزید اضافہ کر دیا۔ سونے پر سہاگے کا کام آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق نے کر دیا۔ آپ صلہ رحمی کے ایسے سنگم پر کھڑے ہیں کہ عرب و عجم، بنو ہاشم و بنو امیہ اور بنو عدی و بنو ثقیف غرض ہر خاندان سے آپ کی رشتہ داری قائم ہے۔ شاید اس امر میں آپ اپنے ہم عصروں سے فائق و متفرد ہیں۔

ننھیال و ددھیال: آپ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ کی نانی اماں، مکہ مکرمہ کی امیر ترین تاجرہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ طاہرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ فرمانِ نبوی کے مطابق آپ کی اماں جان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی اور آپ کو بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدا شباب اهل الجنة یعنی جنتی نوجوانوں کے سردار ہونے کی خوشخبری سنائی ہے۔ آپ کے دادا خواجہ ابو طالب ہیں، جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مثالی محبت تھی۔ آپ کی دادی اماں سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ہیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا۔ آپ کے تین چچا ہیں؛ عقیل، جعفر اور طالب۔ اسی طرح آپ کے تین ماموں ہیں؛ قاسم، عبداللہ اور ابراہیم۔ خالائیں بھی تین ہی ہیں؛ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔ دو پھوپھیاں یعنی جمانہ اور ام ہانی (فاختہ) رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کی آٹھ سوتیلی مائیں ہیں: سیدہ اسماء بنت عمیس، سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا، ام البنین بنت حرام عامریہ، لیلیٰ بنت مسعود تمیمیہ، ام حبیبہ بنت زمعہ، محیاۃ بنت امرؤ القیس، خولہ بنت جعفر حنفیہ، ام سعید بنت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہا۔

بھائی بہن: آپ کے دو حقیقی اور گیارہ (ماں کی جانب سے) سوتیلے بھائی ہیں۔ سیدنا حسن اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہما حقیقی ہیں اور محمد بن حنفیہ، ابوبکر، عمر بن التغلبیہ، عثمان، عباس، جعفر، عبیداللہ، عبداللہ، یحییٰ، محمد الاوسط، محمد الاصغر رحمہم اللہ سوتیلے بھائی ہیں۔ جب کہ دو حقیقی بہنیں (سیدہ زینب اور سیدہ ام

کلثوم) اور پندرہ سوتیلی ہیں: رقیہ، ام الحسین، رملہ کبریٰ، ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، نفیسہ، ام جعفر، جمانہ، ام سلمہ)

زوجات طیبات: روایات میں آپ کی درج ذیل زوجات کے نام آتے ہیں: شہر بانو بنت یزدگرد، لیلی بنت عروہ ثقفی، رباب بنت امرؤالقیس بن عدی، ام اسحاق بنت طلحہ، غزالہ اور حرار۔ ان سے آپ کی درج ذیل اولاد تولد ہوئی: علی اکبر، علی الاوسط، علی الأصغر، جعفر، عبداللہ، فاطمہ، سکینہ، رقیہ، زینب، خولہ، صفیہ۔

خلفائے راشدین سے تعلق: یوں تو آپ کی رشتہ داری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر جانثاروں اور خطہ حجاز کے تقریباً تمام عربوں سے تھی۔ لیکن بعض بہت قریبی رشتہ دار ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں صدہا قصے مشہور کر دیے گئے ہیں۔ ذیل میں ایسی چند رشتہ داریوں کا اشارہ دیا جا رہا ہے جس سے رحماء بینھم کی صفت نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ رشتہ داری اُس سے جوڑی جاتی ہے، جس سے محبت ہوتی ہے۔ **سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ** کی پوتی قریبۃ الصغریٰ (سیدہ حفصہ بنت عبدالرحمن) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ یوں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نواسے ہونے کے ساتھ ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے داماد بھی ہیں۔ اسی طرح شاہ ایران کی دوسری بیٹی محمد بن ابی بکر سے بیاہی گئی۔ یوں آپ محمد کے ہم زلف ہوئے۔ اسی محمد بن ابی بکر صدیقؓ کے صاحب زادے قاسم کی بیٹی ام فروہ فاطمہ کا نکاح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے امام باقر بن زین العابدین سے ہوا، جس سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ (سیدنا جعفر الصادق رحمہ اللہ اس رشتہ کو بڑے فخر سے یاد فرماتے کہ مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبار جنا ہے) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ سکینہ رحمہا اللہ کا نکاح اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے مصعب بن زبیر رحمہ اللہ سے ہوا۔

آپ کی سگی بہن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح **سیدنا عمر رضی اللہ عنہ** سے ہوا، جن سے زید بن عمر اور رقیہ بنت عمر پیدا ہوئیں۔ **سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ** اور بنو امیہ سے بھی آپ کی بہت سی رشتہ داریاں ہیں۔ مثلاً: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے دوہرے خالو ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ام الحکیم سیدنا عثمان کی نانی ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ فاطمہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان کی زوجہ ہیں، جن سے فاطمہ، محمد اور قاسم پیدا ہوئے۔ انہی فاطمہ کا دوسرا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دوسرے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے ہوا۔ سیدنا حسین کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بھی ان کی زوجہ ثانی ہیں۔ روایات میں انہی سیدہ فاطمہ کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے بھی ثابت ہے جن سے محمد الأصغر، قاسم اور رقیہ پیدا ہوئے۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن حسین سے نکاح ہوا، جن سے یحییٰ بن اسحٰق تولد ہوئے۔ **سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ** کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سوتیلی نانی ہیں۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی دوسری اہلیہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبۃ الصغریٰ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی چچازاد بہن ام محمد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔

یوں تو سینکڑوں رشتہ داریاں گنوائی جا سکتی ہیں لیکن بطور نمونہ یہ چند ایک ذکر کر دی گئیں۔ جن سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بابرکت و باسعادت خاندان کا تعارف ہو جاتا ہے۔ نیز صحابہ کرام اور اہل بیت کی آپس میں محبت و تعلق اور رشتہ داری کا بھی پتا چلتا ہے۔ اللہ تمام مسلمانوں کے دل ان کی محبت میں اضافہ فرمائے آمین۔ ❀❀❀

سیدنا عثمان غنیؓ پہ اعتراضات کی حقیقت

محمد احمد معاویہ

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ہونے والے اعتراضات کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے چند اصولی باتیں اور معترضین کی نفسیات کو سمجھنا ضروری ہے۔ **اعتراض کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔**

ایک وہ لوگ ہیں جو سرے سے ہی حضرات خلفاء ثلثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کی خلافت کو باطل جانتے ہیں۔ ان کے اعتراض وسوال کی کوئی حثیت نہیں کیونکہ وہ ان کو خلیفہ برحق نہ مانے بغیر اعتراضات سے دستبردار بھی ہوجائیں تو کوئی فائدہ نہیں۔ دوسرے وہ مسلمان طلباء ہیں جو ان کے سوالات کی وجہ سے شبہات کا شکار ہوجاتے ہیں ان کی تشفی کے لیے جواب ضروری ہے۔

اصولی بات یہ ہے کہ جب تک شرعی حدود پامال نہ ہوں خلیفہ وقت کو نصب وعزل، عطاء وسزا اور بخشش وعنایت کا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے خلیفہ وقت کو کسی بھی جائز کام سے روکنا اس کے اختیار کو سلب کرنے کے مترادف ہے جو شرعا جائز نہیں اور جس شخص کے بارے خلیفہ وقت کی رائے ہو کہ فلاں کے ذریعہ امت کی یہ خیر خواہی ہوسکتی ہے تو خلیفہ پہ لازم ہوجاتا ہے کہ وہ ذمہ داری اس شخص کے سپرد کردے۔ چنانچہ خلیفہ وقت اجتہاد کو عمل میں لاکر اپنا حق استعمال کرتے ہوئے فیصلہ کرے گا اگر خدانخواستہ رزلٹ خلاف نکلے تب بھی شرعاً اس پہ طعن کا حق نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ پہ اعتراض کرنے والے یا تو اسلام میں خلیفہ وقت کے اختیارات سے غافل ہیں یا تجاہل عارفانہ برتتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ پہ اعتراض اٹھانے والے جو اعتراض اٹھاتے ہیں ان میں بڑے اعتراض والیوں کے نصب وعزل اور دوسرا اقرباء پروری کا ہے۔ یعنی آپ نے اپنے دور میں صحابہؓ کو علاقائی ولایتوں سے معزول کرکے رشتہ داروں کو لگایا جو سارے اموی تھے اور دوسرا اپنے خاندان کے لوگوں کے لیے بیت المال کے دروازے کھول دیے اور بالخصوص اپنے داماد مروان بن الحکم کو خمس بھی بخش دیا۔

حضرت عثمان کا خیال یہ تھا کہ جس شخص سے رعایا راضی ہو وہی ان کا والی بنادیا جائے۔ سو جہاں کہیں سے شکایت آتی آپ اس کی زیادہ تنقیح نہ کرتے بلکہ لوگوں کی چاہت کا احترام کرتے ہوئے عموماً والی تبدیل فرمادیتے۔ اس بات کا ذکر امام بخاری نے اپنی تاریخ صغیر میں کیا ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا وہ لوگ کھڑے ہوجائیں جو اپنے والی سے خوش نہیں تاکہ میں اسے ہٹا دوں۔ اور اسے عامل بناؤں جو ان کو پسند ہو۔ چنانچہ اہل بصرہ نے کہا ہم حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے خوش ہیں۔ اہل کوفہ نے کہا حضرت سعیدؓ بن عاص کو ہٹادیں اور حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو ہمارا، عامل بنادیں آپ نے ایسا ہی کیا۔ اہل شام بولے ہم حضرت امیر معاویہؓ سے خوش ہیں۔ پھر مصریوں نے کہا کہ ہم سے حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح کو ہٹادیجیے اور حضرت عمروؓ بن العاص کو وہاں والی بنادیجیے آپ نے ان تمام کے مطابق احکام جاری فرادیے۔

(تاریخ صغیر بحوالہ خلفائے راشدین از علامہ خالد) اس سے معلوم ہوا کہ عمال کا نصب عزل نہ کسی تعصب سے تھا اور نہ کسی قرابت پہ بلکہ آپ عمال کا لگانا اور ہٹانا، عوام کی منشاء اور چاہت کے مطابق فرماتے۔ آپ نے اپنے پورے دورِ حکومت میں ایک بھی عامل، والی یا گورنر از خود معزول نہیں کیا اور نہ نیا لگایا۔

جہاں تک یہ اعتراض کہ آپ نے بڑے اکابر صحابہؓ کی جگہ نوجوان صحابہؓ جو آپ کے خاندان کے تھے ان کو ذمہ داریاں دیں تو یہ افسانہ بھی غلط اور حقیقت کے خلاف ہے۔ پہلی بات کہ بحیثیت خلیفہ کسی ذمہ داری سے ہٹانا اور لگانا آپ کا پورا حق تھا جو آپ نے استعمال کیا جیسا کہ آپ سے قبل شیخین بھی کرتے رہے اس لیے اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دوسری بات اگر ذمہ داریوں کا تناسب دیکھا جائے تو آپ نے امویوں سے زیادہ دوسرے صحابہؓ کرام کو دیں جیسا کہ جب آپ مدینہ سے باہر جاتے تو فصل خصومات کی ذمہ داری حضرت زیدؓ بن ثابت کی تھی جو اکابر صحابہؓ میں سے ہیں اور انصاری تھے۔ بیت المال کے ناظر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور مکہ مکرمہ کے والی حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص مخزومی تھے اور ان کے بعد اس عہدہ پہ حضرت علیؓ بن عدی آئے۔ ہر دو حضرات صحابی بھی تھے اور اموی بھی نہ تھے۔

اگر ذمہ داریوں کا تناسب دیکھا جائے تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے امویوں سے زیادہ دوسرے صحابہؓ کرام کو دیں، جیسا کہ جب آپ مدینہ سے باہر جاتے تو فصل خصومات کی ذمہ داری حضرت زیدؓ بن ثابت کی تھی جو اکابر صحابہؓ میں سے ہیں اور انصاری تھے۔ بیت المال کے ناظر حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور مکہ مکرمہ کے والی حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص مخزومی تھے اور ان کے بعد اس عہدہ پہ حضرت علیؓ بن عدی آئے۔ ہر دو حضرات صحابی بھی تھے اور اموی بھی نہ تھے۔

یمن کے علاقہ الجند کے والی حضرت عبداللہؓ بن ابی ربیعہ تھے یہ بھی صحابی رسول ہیں۔ آذر بائیجان پہ حضرت اشعثؓ بن قیس الکندی تھے، اصفہان میں حضرت سائبؓ بن الاقرع تھے، قرقیاء میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ اور شام میں حضرت امیر معاویہؓ تھے، شام کے علاقہ الصنعاء میں ثمامہ بن عدی عامل تھے۔ کوفہ میں آپ نے مغیرہؓ بن شعبہ کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص کو گورنر مقرر کیا تھا اور مصر کے عامل عمروؓ بن العاص تھے۔ حج کے موقع پہ آپ کی نیابت عبداللہ بن عباسؓ کے سپرد تھی۔

اب دیکھا جائے تو ان تمام عمال، گورنرز میں حضرت عمرو بن العاص اور امیر معاویہ کے سواء کوئی بھی حضرت عثمان کے خاندان سے یعنی اموی نہ تھا۔ اور یہ دونوں حضرات بھی آپ نے مقرر نہیں کیے بلکہ پہلے سے چلے آرہے تھے۔ پھر مزید یہ کہ مکہ میں حضرت علیؓ بن عدی کے بعد عبداللہؓ بن عمرو الحضرمی اور ان کے بعد عبداللہؓ بن حارث ہاشمی کی تقرری عمل آئی اور یہ دونوں اموی نہیں تھے۔ طائف کے والی قاسم بن ربیعہ تھے جو ثقفی ہیں۔ صنعاء یمن کے یعلی بن منیہ تمیمی تھے اور اس کے ساتھ فوج کے سربراہ قعقاع بن عمرو اور پولیس کے سربراہ عبداللہ التیمی تھے۔ اس ساری صورتحال اور تناسب سے یہ بات پوری طرح کھل کے واضح ہوجاتی ہے کہ اعتراض کرنے والوں

نے بے جا اعتراض اٹھایا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر بھی اگر آپ نے کچھ ذمہ داریاں اموی حضرات کو دی بھی دیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا اس وقت جو اکابر صحابہؓ کرام موجود تھے ان میں سے کسی نے سوال اٹھایا؟ کیا کسی نے اس پر تنقید کی؟ کیا کسی نے کہا کہ رشتہ داروں کو لانا شرعا عیب ہے؟ جب ایسا نہیں تو اجماع صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں جاتا ہے۔ رہا آل سباء کا پراپیگنڈا تو معلوم ہونا چاہیے پروپیگنڈہ ہمیشہ پروپیگنڈہ ہی ہوتا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور آل سبا کے پروپیکنڈے کا حقائق ساتھ نہیں دیتے۔

حضرت عثمان پہ اک بڑا اعتراض یہ گھڑا جاتا ہے کہ آپ نے بڑی رقمیں اور جاگیریں اپنے خاندان کے لوگوں کو بخش دیں جس کی بنا پہ لوگوں میں غم غصہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن سعد کو طرابلس کی غنیمت کا خمس، مروان کو افریقہ کا خمس، عبداللہ بن خالد کو چار لاکھ درہم، حارث بن حکم کے ساتھ بیٹی عائشہ کی شادی کی اور ایک لاکھ درہم دیے۔ اسی طرح حکم کو ایک لاکھ جبکہ ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم عطا کیے۔

ان تمام اعتراضات کے بارے میں یاد رکھیں کہ کسی معاملہ میں سیدنا عثمان غنیؓ نے حدود شرع کو نہیں توڑا۔ حضرت عبداللہ بن سعد پہلی بات اموی نہیں بلکہ عامری ہیں۔ ان کو جو خمس دیا وہ صرف ایک انعام تھا۔ یہ علاقہ فتح نہیں ہو رہا تھا تو خلیفۃ المسلمین نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر فتح کرو گے تو خمس کا خمس تمہیں ملے گا۔ چنانچہ بعد از فتح حضرت عبداللہ نے اپنا حصہ رکھ کر باقی مال غنیمت مدینہ بھیج دیا۔ جس پر لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں تو آپ نے فرمایا عبداللہ نے یہ سب میرے حکم سے کیا تھا اگر تم لوگ راضی نہیں ہو تو واپس کروا دیتا ہوں۔ چناچہ آپ نے حضرت عبداللہ کو لکھا تو انہوں نے خمس واپس کر دیا۔

حضرت عثمان قبل از اسلام ہی اک مالدار تاجر تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی پر عطیہ، چچا حکم اور ابوسفیان کو اگر مال دیا تو وہ خالص اپنے مال سے دیا جس پہ کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ تو صلہ رحمی کی قابل تقلید مثال ہے کہ بندہ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔ حضرت عثمان کا یہ سلوک خاندان کے لوگوں کے ساتھ قبل از خلافت بھی جاری تھا جیسا کہ طبری میں واضح مزکور ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ مروان کو افریقہ کا خمس بخشا تو یہ بھی بے بنیاد ہے کیونکہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر نے افریقہ کی فتح کی اطلاع بھیجی تو ساتھ ہی خمس بھیجا جس کو مروان نے 5 لاکھ درہم میں خرید لیا تھا جو بعد میں حضرت عثمانؓ نے واپس لے لیا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ بعض لوگوں کا اس کو عطیہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

لہذا یہ تمام اعتراضات بغض وعناد اور جہالت پہ مبنی ہیں یا اسلامی اصولوں سے عدم واقفیت کی بنا پہ ہیں۔ کیونکہ اسلام خلیفۃ المسلمین کو خصوصی اعلان کے ساتھ انعام کی اجازت دیتا ہے اور اس کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ معاون ومناصرت کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جس قدر شد و مد سے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اس کا عشر عشیر بھی ان میں خامی نہیں تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ حقیقی معنوں میں ایک عبقری سیاسی شخصیت تھے۔ تبھی تو آپ کے 12 سالہ دور خلافت میں اسلام کا دائرہ کار 44 لاکھ مربع میل تک وسیع ہوگیا اور آپ نے وہاں اسلام کی حقانیت اور نظام اسلام کی دھاک بٹھادی۔ آپ رضی اللہ عنہ بالاخر 82 سال کی عمر میں 18 ذوالحج کو باغیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما گئے۔ بوقت شہادت آپ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور آپ کے خون کے قطرات قرآن کریم پر آ گرے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

بابو جی کا پاکستان

میاں محمود الحسن بالاکوٹی

چاچا کرمو سب کا یار تھا۔ نام تو اس کا کرم دین تھا۔ مگر گاؤں والے اسے چاچا کرمو ہی کہتے تھے۔ بڑوں سے زیادہ بچے اس کے دوست تھے۔ بچے اس سے کھیلتے۔ وہ بچوں سے کھیلتا۔ ویسے بھی چاچا کرمو کا دنیا میں گاؤں والوں کے علاوہ کون تھا۔ بچوں بڑوں نے جھونپڑی نما مکان میں اسے اکیلا ہی دیکھا تھا۔ اکثر رات کے آخری پہر جھونپڑی سے رونے کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ بچے شوخی میں پوچھتے۔ چاچا آپ کے بچے کہاں ہیں۔ چاچا ہنس کے ٹال دیتا۔ کبھی کبھی تو چاچا کے کمزور گالوں پر موٹے موٹے آنسو گرتے۔ بچے پوچھتے چاچا آپ رو کیوں رہے ہیں۔ چاچا مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہتا۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آج چاچا کرمو گاؤں سے باہر بیٹھا تھا کہ بچے کھیلتے کھیلتے وہاں آ گئے۔۔ بچے کہنے لگے آج ہم آپکی کہانی ضرور سنیں گے۔۔ میری کہانی؟ کیا مطلب؟؟ یہی کہ آپ اکیلے کیوں ہیں۔ کرمو نے جان چھڑانی چاہی۔ مگر بچے بھی آج عزم کر کے آئے تھے۔ کہ کہانی سنے بغیر نہیں جائیں گے۔ چاچا کرمو تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو گئے۔ جیسے کسی گہرے غم میں کھو گئے ہوں۔ ایک لمبی سانس بھری اور گویا ہوئے۔ اچھا تو تم کرمو کی کہانی سننے آئے ہو۔ تو پھر سنو۔ ہم متحدہ ہندوستان میں امرتسر کے ایک دیہات میں رہتے تھے۔ میرے دادا حاجی الف دین امرتسر کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ میرے والد چار بھائی تھے۔ دادا کی وفات پر ترکہ کی تقسیم ہوئی۔ میرے والد مرحوم نے زمین میں حصہ لینے کی بجائے شہر کی دکان اس نیت سے لی۔ تاکہ میری اولاد کو شہر میں تعلیم کے اچھے مواقع میسر آسکیں۔

چنانچہ ہم گاؤں سے امرتسر شہر کے محلہ لطیف آباد میں منتقل ہو گئے۔ میرے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ میں سب سے بڑا تھا۔ میں نے اس وقت گریجویشن کی۔ جب کہ امرتسر میں چند ہی افراد گریجویٹ تھے۔ مجھے گورنمنٹ کالج میں لائبریرین کی ملازمت مل گئی۔ گاؤں والے ملازمت کی وجہ سے مجھے بابو صاحب پکارتے تھے۔۔ والد محترم کے انتقال کی وجہ سے سارے گھرانے کا بوجھ مجھ پر آ گیا۔ چار بھائیوں اور دو بہنوں کی شادی میرے لئے بڑی آزمائش تھی۔ مگر والدہ محترمہ کی شفقت اور اہلیہ محترمہ کے تعاون کی وجہ سے میں ہر آزمائش سے گذرتا گیا۔ ان دنوں تحریک پاکستان زوروں پر تھی۔۔ ہم لوگ اپنے تخیل میں آزادی کی صورت میں بننے والے پاکستان کو مسجد سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ ہمارے شہر میں مفتی محمد حسن نام کے بڑے عالم تھے۔ انکے انداز تربیت اور رس گھولنے والے بیان سے لوگ انکے بے حد گرویدہ تھے۔ انکی گفتگو سن کے حافظ بلال چونک کے بولا۔ چاچا یہ مفتی حسن وہی تو نہیں جنھوں نے لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے نام سے بعد میں ایک بڑا مدرسہ بھی بنایا تھا۔ چاچا کرمو کہنے لگا۔ حافظ جی یہ تو مجھے پتہ نہیں البتہ تھے وہ بڑے آدمی۔ وہ اکثر تھانہ بھون والے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک دو بار مجھے بھی حضرت کی خانقاہ میں لے گئے۔ خانقاہ کیا تھی۔ علم و عمل کی عجیب درسگاہ تھی۔ ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی۔ مجال ہے کہ خانقاہ میں کسی کی جوتیاں بھی بے ترتیبی ہوں۔ حضرت اپنے وعظ میں پاکستان کا ذکر جھوم جھوم کے کیا کرتے تھے۔۔ مفتی حسن صاحبؒ بھی اپنے ہر بیان میں پاکستان اور نظریہ پاکستان

کا تذکرہ ضرور کرتے۔۔فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالی نے ہمیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا۔۔تو ان شاء اللہ ہم پاکستان میں قرآن وسنت کا قانون نافذ کریں گے۔ہر مسلمان آزادی سے دینی اور عصری تعلیم حاصل کر سکے گا۔مفتی صاحب کے بیانات نے ہمارے روح وقلب میں ایسا نقشہ کھینچا کہ ہم رات دن آزادی کے لئے دعائیں کرتے۔کبھی کبھی جذباتی لیگی کارکنوں کی طرف سے علماء کرام کے ساتھ توہین آمیز سلوک دیکھتے۔تو وساوس کا شکار ہوجاتے۔کہ ایک طرف نعرہ یہ لگایا جارہا ہے۔پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔اور دوسری طرف بزرگ علماء کرام سے یہ توہین آمیز سلوک؟؟ میں مفتی صاحب سے لیگیوں کا شکوہ کرتا۔مفتی صاحب مجھے تسلی دیتے ہوئے کہتے۔بابو صاحب دل تو میرا بھی بہت دکھتا ہے۔لیکن پھر جب میں کلمہ طیبہ والے نعرے کو دیکھتا ہوں۔تو دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ آزادی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔۔بڑے مقصد کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔مفتی صاحب اکثر اس حوالے سے متفکر رہتے تھے کہ تحریک پاکستان کے متحرک اور فعال کارکنان اور قیادت کا تعلق علماء اور مدارس سے جوڑا جائے۔تاکہ تحریک کا مزاج دینی اور نظریہ پاکستان سے ہم آہنگ رہے۔بچے جو آج سے قبل کرمو کو دیوانہ یا صوفی منش سمجھتے تھے۔چاچا کرمو کو بابو جی کی شکل میں دیکھ کر اور بھی دھیان سے بات سننے لگے۔بابو جی کی کہانی سن کر اسے تحریک پاکستان کا اہم کردار سمجھ رہے تھے۔بابو جی نے بتایا کہ ایک دن ہم صبح جاگے۔تو کیا دیکھتے ہیں کہ کالونی میں ہر طرف افراتفری ہے۔کسی نے آواز دی بابو جی روشنی ہونے سے پہلے شہر سے نکلو۔وجہ پوچھی تو بھاگتے بھاگتے بتایا کہ پاکستان بن گیا ہے۔۔اور اب ہندو اور سکھ ہمارے گھروں پر حملہ آور ہیں۔۔یہ سن کے مجھے تو گویا سانپ سونگھ گیا۔میں سوچوں میں گم گھر کی طرف جارہا تھا۔کہ جس پاکستان کے حصول کے لئے ہم نے کیا کیا جتن کیے تھے۔۔اسے دیکھنا تو دور کی بات اپنی عزت بچانا مشکل ہو رہا تھا۔پھر میرے جیسے بندے کے لئے تو قدم قدم پر آزمائش تھی۔۔کیونکہ میری چار جوان بیٹیاں تھیں۔۔ایک ہی بیٹا وہ بھی بارہ سال کا۔۔میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔۔مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ پاکستان کے قیام کی خوشی مناؤں یا پھر اپنی عزت کے خطرے پر آنسو بہاؤں۔۔انھی سوچوں میں غلطاں گھر پہنچا۔جلدی سے بیگم صاحبہ اور بچوں کو جگایا۔بیگم صاحبہ کو میں نے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ساتھ ہی یہ تلقین بھی کی کہ اگر تم نے صبر اور ہمت سے کام نہ لیا۔تو حالات اور بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔۔اس نے بچوں کو بتایا کہ شہر میں نسلی فساد پھوٹ پڑے ہیں۔۔حکومت کی طرف سے کرفیو لگایا جارہا ہے۔حکومت نے شہر خالی کرنے کے لئے ایک گھنٹے کا وقت دیا ہے۔لہذا وقت ضائع کیے بغیر ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔۔بچیاں رونے لگیں تو انکی ماں نے مصنوعی غصے سے چپ کراتے ہوئے سامان باندھنے کو کہا۔

میں دل ہی دل آنے والی انجان آزمائش کے بارے میں دعائیں کر رہا تھا۔ روشنی پھیلتے ہی شور وغل میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ضروری سفری سامان باندھنے کے بعد اگلا مرحلہ محفوظ سفر کے لئے گاڑی کے انتظام کا تھا۔ کافی تگ ودو کے بعد بھی جب گاڑی نہ ملی۔تو پیدل نکلنے میں ہی عافیت سمجھی۔۔کیونکہ ذرا سی دیر بھی بڑی آفت کا سبب بن سکتی تھی۔۔بچوں کے سوالات اور اگلی منزل کے معاملے نے میری یہ حالت کر دی تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔۔

بھوک، خوف اور پریشانی سے بیگم صاحبہ اور بچے نڈھال ہو چکے تھے۔۔میرے بچے تو کانچ کی طرح نازک تھے۔۔وہ کبھی پیدل اپنے سکول بھی نہیں گئے تھے۔ دو گھنٹے کے اعصاب شکن پیدل سفر کے بعد ایک بستی میں پہنچے۔۔ایک دروازے پر دستک دی۔بڑی عمر کی عورت باہر آئی۔ہمیں مسافر سمجھ کر اندر لے گئی۔۔اندر جا کے کیا دیکھتے ہیں کہ گھر میں ہر طرف مورتیاں ہی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔۔بس میرا تو دل دھک دھک کرنے لگا۔جن ہندوؤں کے ظلم وسربریت سے بھاگ کر ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔بھاگتے ہوئے انھی کے گھر جا گھسے۔۔ہم بارش سے

بچتے بچتے پرنالے کے نیچے آ گئے تھے۔ تھوڑی دیر میں اسکی بہو ہمارے لئے ناشتہ لے آئی۔۔ اس نے بیگم صاحبہ سے سفر کی بابت پوچھا۔ ہم تو بچیوں کو کچھ اور بتا کے آئے تھے۔ میں بیگم صاحبہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کہیں راز فاش ہی نہ کر دے۔ اسکے بولنے سے پہلے ہی ساس بولی کیا پوچھتی ہو بیٹا ہونگے بیچارے کوئی خانہ بدوش جبھی تو سامان سر پہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے بھی بے بے جی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ شاید انھیں بھی پاکستان کے قیام اور ہندو مسلم فسادات کا علم نہیں تھا۔ بے بے جی نے بچا ہوا ناشتہ باندھ کر ساتھ دے دیا۔۔ ایک بار پھر پیدل ہی پاکستان کی طرف نکلے۔۔ لٹے پٹے قافلے بچے کچے سامان اور افراد کے ساتھ بیل گاڑیوں گدھا گاڑیوں اور خچروں پر کسی طرح ہندو اکثریت والے شورش زدہ علاقوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہمیں بھی ایک قافلے میں ایک بیل گاڑی پر سوار کر دیا گیا۔۔ بچیاں سب کچھ جان چکی تھیں۔ مگر بے بسی کے ہاتھوں خاموش تھیں۔

قافلے کی حفاظت کے لئے کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے مسلح جوان آگے پیچھے چل رہے تھے۔۔ قافلے والوں نے جب ظلم و سربریت اور درندگی کی المناک داستانیں بچوں کو سنائیں۔ تو بچیاں مارے خوف کے اپنی ماں اور مجھ سے چمٹ گئیں۔ یہ تو ہمارا دل ہی جانتا تھا کہ ہماری کیفیت کیا تھی۔ مگر پھر بھی بچوں کو حوصلہ دئے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ اچانک ہندو بلوائیوں نے ہلہ بول دیا۔ قافلے میں ہر طرف چیخ و پکار اور آہ و بکا تھی۔ بلوائی بڑی بے دردی سے قتل عام کر رہے تھے۔ لٹے پٹے مہاجرین جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگے۔ کسی کا بیٹا نہیں تھا۔ تو کسی کا باپ نہیں تھا۔ کوئی ماں کو تلاش کر رہا تھا۔ تو کوئی بیٹی کو آوازیں دے رہا تھا۔ بلوائی قیامت ڈھانے کے بعد جا چکے تھے۔ میں ایک وقت تک بچوں اور بیوی کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا۔ مگر جب حملہ کا زور بڑھا۔ تو بے بس ہو کے ایک طرف کو بھاگا۔ ظلم و سربریت کے بادل چھٹے تو اوروں کی طرح میں بھی بچوں کو ڈھونڈنے بھاگا۔ لاشوں اور زخمیوں کو ایک طرف جمع کیا گیا تھا۔ تلاش بسیار کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ میری رفیقہ حیات خون میں لت پت بے سدھ پڑی ہے۔۔ بیگم صاحبہ کی مجروح میت نے مجھے گھائل کر دیا۔ بچوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ شام تک شہداء کی تدفین اور زخمیوں کی مرہم پٹی سے فارغ ہوئے۔ میں اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ خیموں میں بین اور چیخ و پکار سے ماحول سوگوار تھا۔۔ میں پاگلوں کی طرح اکیلا ہی بچوں کی تلاش میں نکلا۔ دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ہر آنے جانے والے سے بچوں کا پوچھتا۔ مگر ہر کوئی اپنے غم و الم کی کہانی سنا رہا تھا۔۔ میں یہ سوچ کر کہ شاید بچے زخمی حالت میں کسی ہسپتال میں ہوں۔۔ پوچھتے پوچھتے ہسپتال پہنچ گیا۔ چپہ چپہ چھان مارا۔۔ مگر میری بچیوں اور جگر گوشے عثمان کا کوئی پتہ نہ چلا۔۔ اب میں قافلے والوں سے بچھڑ چکا تھا۔۔ بلکہ قافلے والے بکھر گئے تھے۔۔ تین دنوں کی مسلسل تلاش کے بعد کسی ہمدرد سے پتہ چلا کہ فلاں نمبر دار کے ڈیرے پر کچھ لاوارث لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔۔ میں ڈیرے پر پہنچا۔ نمبر دار صاحب تبلیغی جماعت سے وابستہ

یقین کیا ھے؟

یقین وہ ہے جو سوتے کو جگا دے، لیٹے کو اٹھا دے، قلب کو گرما دے اور دل کو تڑپا دے۔ دیکھو! دنیا میں لوگ نوکریاں کرتے ہیں، ڈیوٹی پر جانے کے لیے دو گھنٹے پہلے اٹھتے ہیں۔ نہ سردی مانع ہوتی ہے نہ گرمی سے رکاوٹ، نہ بارش کا خیال۔ گھڑی لگا کر سوئے، وقت سے پہلے اٹھے، ناشتا کیا، بس پکڑی، دس پندرہ میل کا کھڑے ہو کر کھچا کھچ بھیڑ میں سفر کیا۔ اس کے بعد ڈیوٹی پر پہنچے۔ یہی شخص جو پیسہ کمانے کے لیے نیند قربان کرتا ہے اور اتنی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ جب چھٹی کا دن ہوتا ہے، فجر کی نماز کے لیے نہیں جاگتا۔ حقیر ٹکوں نے جگا دیا اور نماز کے لیے نہیں جگایا۔ حالانکہ ایک نماز کی حیثیت اور قیمت بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کی ایک نماز فوت ہوگئی، گویا اس کے اہل و اولاد اور اموال، سب برباد ہوگئے۔" (الترغیب والترہیب)

بحوالہ: "کام کی باتیں" از مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ

تھے۔۔میری کہانی سننے کے بعد مجھے پناہ گزینوں کی ڈیوڑھی میں لے گئے۔۔کیا دیکھتا ہوں کہ میری صدف اور عائشہ رانی دبکی بیٹھی ہیں۔مجھے دیکھتے ہی باباجی باباجی پکارتی روتی مجھ سے لپٹ گئیں۔۔میں بھی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔۔ساتھ ہی عثمان اور بڑی دونوں بچیوں کا پوچھا۔بچیوں کی آواز رندھ گئی تھی۔کوشش کے باوجود نہ بول سکیں۔ہم باپ بیٹیوں کا ملاپ دیکھ کر دوسروں کو بھی اپنے پیاروں کی یاد آ گئی۔وہ منظر میرے بیان سے باہر ہے۔۔میں رات وہیں ٹھہرا۔۔بچیاں جب ذرا سنبھلیں تو میں نے ایک بار پھر گم شدہ بچے اور بچیوں کا پوچھا۔۔مجھے میری رانی نے بتایا کہ عثمان بھیا کو تو ظالموں نے نیزوں اور بھالوں سے چھلنی کر دیا تھا۔۔اس نے انم باجی کی گود میں جان دے دی تھی۔۔ہم لوگ چیخ و پکار اور واسطے دے رہے تھے۔مگر انھیں ذرہ بھر ترس نہیں آیا۔عثمان کو زمین پر پٹخ دیا۔۔اسکے بعد انہوں نے ہمیں بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ساتھ چلنے کو کہا۔۔ایک ٹرالے میں دیگر عورتوں کے ساتھ ہمیں بھی ٹھونس رہے تھے۔مگر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے صدف اور مجھے چھوڑ گئے۔۔ہم نیم بے ہوش تھیں۔پتہ نہیں کتنی دیر کے بعد کچھ مولوی لوگ آئے۔انھوں نے ہمیں ساتھ بٹھایا۔اور یہاں لے آئے۔عثمان شہید کتنی دیر وہاں رہا اور کہاں گیا کچھ پتہ نہیں۔(عثمان کی شہادت کا سن کے چاچا کرمو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا)

اگلی صبح نمبردار صاحب نے پو پھوٹنے سے پہلے ہم گیارہ افراد کو ایک سوزوکی میں اس علاقے کی طرف بھیج دیا۔جہاں ابھی امن تھا۔دو تین گھنٹے کی مسافت کے بعد ہمیں واہگہ کے قریب ایک گاؤں میں اتار کر گاڑی واپس ہوئی۔ہم نے کرائے کی بابت سوال کیا۔تو بتایا گیا کہ نمبردار صاحب ادائیگی کر چکے ہیں۔۔ہمارے پوچھنے پر بتایا کہ نمبردار صاحب روزانہ ایسے آٹھ سے دس قافلے بھیجتے ہیں۔خود نمبردار صاحب کی فیملی بھی ہجرت کر چکی تھی۔یہاں نمبردار صاحب اپنے کاروبار، ملازمین اور بے بس مہاجرین کی مدد کو بیٹھے تھے۔جیسے تیسے ہم پاکستان پہنچے۔۔ہمیں شادباغ لاہور کے ایک مہاجر کیمپ میں رکھا گیا۔کیمپ میں تین سے چار ہزار

قابل رشک

ہسپتال کے باہر کھڑی ایک خوب صورت نئی گاڑی دیکھ کر وہ کہنے لگا:''یار! گاڑی تو اسے کہتے ہیں۔ہمارے نصیب میں ایسی گاڑی کہاں؟''میں نے اسے مسکراتے ہوئے کہا:''تمھارے نصیب میں جو گردے ہیں، انھیں اس گاڑی کا مالک رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہوگا، یہ بے چارہ آج کل کڈنی ٹرانسپلانٹ کی فکر میں مبتلا ہے۔''(ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی)

متفرق مہاجرین رہائش پذیر تھے۔۔رجسٹریشن کے مرحلے کے بعد ہمیں کہا گیا۔ہم آپکے لئے مستقل رہائش کا بندوبست کر رہے ہیں۔چند دنوں کے بعد شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ میں ایک رہائشی مکان اور دو کنال زرعی اراضی مجھے الاٹ کر دی گئی۔دکھ، مصائب، مظالم، آندھیاں اور طوفان سب کچھ برداشت کرنے کے باوجود آزادی کی خوشی نے زخموں پر مرہم رکھ دی۔۔میں مکان اور اراضی اپنے نام کرنے کے لئے محکمہ مال والوں کے پاس گیا۔۔میرے ذہن میں آزاد اسلامی فلاحی ریاست کا تصور تھا۔مگر یہ خوشی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔محکمہ مال میں جس کے پاس جاتا۔وہ یا مال طلب کرتا یا زمین۔۔میں دفتروں کے چکر لگا لگا کے عاجز آ گیا۔ایک طرف ہجرت کا دلدوز سانحہ۔آزادی کے لئے جگر گوشوں کی جدائی۔مال و جائیداد اور شاہی ملازمت کی قربانی۔۔دوسری طرف آزادی کے بعد خوفناک نقشہ۔۔دل کرتا تھا کہ زمین پھٹے میں بچیوں سمیت زندہ دفن ہو جاؤں۔کلرکوں کو واسطے دئے۔مگر ان سنگ دلوں کا واسطہ نوٹ سے تھا۔نوٹ دو اور کام لو۔۔میں ایک فیکٹری میں کیشئر کے طور پر ملازمت کر رہا تھا۔بچیاں مقامی سکول میں داخل کروا دیں۔دن مہینے سال گذرتے گئے۔زمین اور مکان میرے نام نہ ہوا۔اب میرے لئے زمین سے زیادہ بچیوں کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔میں ایک دن فیکٹری سے واپس آیا۔کیا دیکھتا ہوں کہ بچیاں دوراہے پر کھڑی رو رہی ہیں۔میں نے وجہ پوچھی۔کہنے لگیں کہ گھر میں چند غنڈے اوباش آئے۔ہمیں کہا نکلو یہاں سے۔یہ گھر ہمارا ہے۔

اک دریا کا اور سامنا تھا منیر مجھ کو اک دریا سے پار اترا تو میں نے دیکھا

گھر پہنچا۔ سامان بکھرا پڑا تھا۔ میرے پوچھنے پر جواب دینے کی بجائے لاتوں مکوں سے جواب دیا۔ میں سمجھ چکا تھا کہ محکمہ مال والوں نے رشوت نہ دینے کے جرم میں میرا مکان کسی اور کے نام کر دیا ہے۔ میں شکایت لے کر تھانے پہنچا۔ تھانیدار نے معمول کی کارروائی کے انداز میں رپورٹ درج کی۔ میں نے بطور ثبوت اپنے مہاجر ہونے کا سرٹیفیکیٹ دکھایا۔ تھانیدار نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جگت بازی کے انداز میں جواب دیا۔"اسی نائی گلیاسی بلاون لئی "میں جامد وساکت بھیگی آنکھوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ مجھے ہر سو اندھیرا دکھائی دیا۔ ایک دوست کے کہنے پر وکیل سے بات کی۔۔ اسکی فیس سن کے پتہ لگا' ٹکے کی گڑیا آنہ دھلائی" چارو ناچار اپنے ہی ملک میں ایک بار پھر ہجرت کا سوچا۔ مگر یہاں سے کہاں جاتا۔ بے بسی اور ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے کرائے کا مکان لے کے زندگی کے دن پورے کرنے لگا۔ کچھ مخلص دوستوں کے تعاون سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ہجرت کے سفر میں خاک وخون میں لت پت ہونے والی کلیوں کو انجان گھرانوں میں بیاہ دیا۔ تاکہ مجھے ایک طرف سے تو سکون ملے۔ بچیوں کے بیاہتے ہی میں نے قبضہ گروپ کے خلاف ہائی کورٹ میں ناجائز قبضے کا کیس کر دیا۔ جو کماتا کیس پر لگا دیتا۔ پندرہ سال تک مڈبھیڑ ہوتی رہی۔ آخر وہاں بھی جیت نوٹوں کی ہوئی۔۔ میں نے شرقپور شریف کو خدا حافظ کہا۔ لاہور آ گیا۔ تجربے کی بنیاد پر ایک کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ بچیاں بچھڑے ہوؤں کی یاد میں سوکھ کے کانٹا ہو گئیں تھیں۔ ایک دن اطلاع آئی کہ صدف ٹی بی کے مرض میں چل بسی ہے۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ رانی کا بھی سسرال والوں سے نبھا نہ ہو سکا۔ بچیاں جننا اس کا جرم ٹھہرا۔ مار پیٹ طعنوں سے دل ٹھنڈا نہ ہوا تو تین طلاقوں کی تلوار سے اسے گھائل کر دیا۔ میں ایک بار پھر منوں بوجھ تلے آ چکا تھا۔ دوسری طرف صدموں اور غموں کی ماری طلاق کا صدمہ کیسے جھیلتی۔۔ دو سال ایڑیاں رگڑنے کے بعد غموں سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئی۔۔ میرا دنیا سے جی بھر گیا۔ میں آزاد ملک کا وہ قیدی تھا کہ جسے آزادی کے لئے پورے کنبے کو قربان کرنے کے جرم میں اپنے ہی ملک میں بے بس اور قید کر دیا گیا تھا۔ میں نے ملازمت کو لات ماری۔ کہ اب کا ہے کے لئے کماؤں۔ وہ دن اور آج کا دن زندگی کے دن پورے کرنے کے لئے در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔

کبھی اس کے در کبھی اسکے در کبھی انکے گھر
غم عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گذر گیا

جونہی چاچا کرمو خاموش ہوئے۔ تو سارے بچوں نے بیک آواز چاچا کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ چاچا آج کے بعد ہم سب آپکے عثمان ہیں۔ ہم آپکو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

❀❀❀

معیار حق لوگ:

صحابہ کرام امت مسلمہ کیلئے معیار حق ہیں، جس کی وجہ سے ان کا مقام ومرتبہ بہت بلند وبالا ہے، ان کی خصوصیت اور انفرادیت، جذبہ ایمانی، ایثار وقربانی، مجاہدہ، خلوص، عہد وفا، جاں نثاری وجان فشانی، اطاعت واتباع اور تسلیم ورضا۔۔ غرض ان کے اعمال وافعال کا ذکر آج بھی ہوتا ہے اور رہتی دنیا تک ہوتا رہے گا۔ اس مقدس جماعت کی تعریف خود خالق کائنات رب العالمین نے بیان فرمائی اور انھیں اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا کیا۔ ان کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے والوں کو کامیابی کی ضمانت کا مژدہ سنایا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی اپنے اور اپنے رسول کے درمیان ایمان لانے کے معاملے میں قطعا تفریق اور جدائی نہیں کرتے اور کلمہ واذان اور تکبیر ونماز میں اپنے اسم عالی کے ساتھ اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو لازم ٹھہراتے ہیں اور اپنے کلام پاک قرآن کریم میں کم وبیش سو بار اپنے اسم اعظم کے ساتھ اپنے حبیب کا ذکر فرماتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اپنے محبوب اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی نہیں کرتے اور اپنے معصوم اور محبوب رسول کے ساتھ اصحاب رسول کا ذکر فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام کے مقام اور ان کی حیثیت کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام اللہ کی منتخب کردہ ایک چنیدہ جماعت ہے، ان کی صفات کا تذکرہ گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے صحابہ کرام کو جنت کی خوشخبری بھی سنا دی۔ (بحوالہ: "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ"، از بنت یامین سحر)

رپورٹ

مرکزی تربیتی کنونشن

عبدالرؤف چوہدری

مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان یونٹ سطح سے لے کر مرکز تک اپنا ایک مستقل نظام تربیت رکھتی ہے، جس میں یونٹ سطح پر دروس قرآن وحدیث، مدارس کے طلبہ میں مطالعہ اور خطابت کا ذوق بیدار کرنے کے لیے "بزم مسلم" ماہانہ تربیتی نشست، ورکشاپ برائے ذمہ داران، ایک روزہ ضلعی کنونشن، دو روزہ صوبائی تربیتی کنونشن اور پھر سیشن کے آخر میں تین روزہ علمی، فکری، اصلاحی، نظریاتی "مرکزی تربیتی کنونشن" شامل ہے۔ سیشن 2022/23 کے اختتام پر 09/10/11 جون بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار تین روزہ مرکزی کنونشن بھوربن مری میں منعقد کیا گیا جس میں تمام صوبہ جات بشمول کشمیر سے کثیر تعداد میں دینی وعصری طلبہ نے شرکت کی۔ کنونشن ہال میں مختلف عبارات سے مزین فلیکس آویزاں کیے گئے تھے۔ کنونشن کا تینوں دنوں کا شیڈول پہلے سے جاری کر دیا گیا تھا۔ تمام شرکاء کنونشن کے لیے مندوب کارڈ جاری کیا گیا تھا، مندوب کارڈ کے بغیر کنونشن ہال میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ تمام شرکاء کنونشن کے لیے کاغذ قلم ساتھ رکھنا شرط تھا، جن احباب کے پاس موجود نہیں تھا انتظامیہ کی طرف سے انہیں کاغذ قلم مہیا کیا گیا۔ کنونشن میں تشریف لانے والے تمام مہمانان گرامی کو عنوانات پہلے سے دیے ہوئے تھے جس پر معزز مقررین نے سیر حاصل گفتگو فرمائی اور شرکائے کنونشن کے سوالات کے جوابات بھی دیے۔

کنونشن کی پہلی نشست کا آغاز 09 جون بروز جمعہ بعد نماز عصر برادر حذیفہ معاویہ ناظم عمومی ایم ایس او ضلع رحیم یار خان کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد نعت رسول مقبول کا اعزاز مولانا راشدی صاحب کے ہمسفر نے حاصل کیا۔ تلاوت ونعت کے متصل بعد مفکر اسلام شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے "انقلابی تحریکیں اور طلباء کا کردار" کے عنوان سے پُر مغز خطاب کیا۔ بیان کے بعد مختلف سوال وجواب کا بھرپور سیشن ہوا۔ مولانا راشدی صاحب کے بیان کے بعد مفتی ضلع مفتی خالد حسین عباسی نے گفتگو فرمائی۔ بعد ازاں مرکزی تربیتی امور برادر عبدالرؤف نے کنونشن کی ہدایات بیان کیں اور یوں پہلی نشست کا اپنے اختتام کو پہنچی۔

کنونشن کی دوسری نشست بعد نماز مغرب منعقد ہوئی جس میں تلاوت کلام پاک اور نعتیہ کلام کے بعد ناظم اعلیٰ ایم ایس او پاکستان برادر سردار مظہر نے ملک بھر آئے سے ہوئے شرکائے کنونشن کی حاضری لی اور کنونشن کی ترتیب اور نظم وضبط کے حوالے سے شرکائے کنونشن کو چند ضروری ہدایات جاری کیں۔ ناظم اعلیٰ صاحب کی گفتگو کے بعد مرکزی ناظم عمومی ایم ایس او پاکستان برادر ارسلان کیانی کو "منصوبہ بندی کیوں ضروری ہے اور کیسے کی جائے" کے عنوان پر گفتگو کے لیے دعوت سخن دی گئی۔ ناظم عمومی صاحب کی گفتگو کے ساتھ ہی کنونشن کی دوسری نشست کا اختتام ہوا۔ رات کو بعد نماز عشاء پہلے دن کی آخری نشست ہوئی جس میں ذمہ داران نے مختلف عنوانات پر سیر حاصل گفتگو کی۔ نشست کے آخر میں شرکاء کو کھانا کھلایا گیا۔ انتظامیہ کنونشن کی جانب سے شرکاء کے لیے کھانا کا بہترین انتظام کیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ آنے والے تمام مہمانوں کی بہترین مہمان نوازی کی جائے۔ اس کے مری اور پنڈی اسلام آباد کے ذمہ داران نے مثالی خدمات سرانجام دیں۔

دوسرے روز نماز فجر کے بعد درس قرآن کے فرائض ناظم تربیتی امور ضلع راولپنڈی برادر فاروق معاویہ نے ادا کیے۔ درس قرآن کے بعد شرکاء کو دو گھنٹے راحت وآرام کے لیے وقت دیا گیا۔ 10 جون کی پہلی نشست کا آغاز

ناشتے کے بعد صبح 09 بجے ہوا۔ پہلی نشست میں تلاوت کلام کی سعادت برادر عبدالغنی کشمیری جبکہ نعت رسول مقبول کی سعادت سندھ سے تشریف لائے ہمارے دوست سید معاویہ شاہ نے حاصل کی۔ تلاوت ونعت کے متصل بعد مولانا تنویر الحسن احرار ناظم مجلس احرار اسلام پنجاب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور ایم ایس او پاکستان کے کام کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعدازاں ترجمان وفاق المدارس مولانا عبدالقدوس محمدی صاحب نے ”موجودہ دور میں میڈیا کا کرداد، سوشل میڈیا کا مثبت اور مؤثر استعمال کیسے کریں“ کے عنوان سے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ محمدی صاحب کی گفتگو کے دوران ہی سٹیج کی زینت بنے مربی ومصنف مولانا الشیخ جہانگیر محمود صاحب۔ محمدی صاحب کے متصل بعد شیخ محترم کو ”عصر حاضر میں درپیش چیلنجز اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں سیرت طیبہ کی روشنی میں“ کے عنوان پر گفتگو کے لیے دعوت دی گئی۔ حضرت شیخ نے انتہائی پُرمغز اور مؤثر گفتگو فرمائی اور نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریاں پہچاننے کی طرف متوجہ کیا۔ شیخ صاحب اور مولانا محمدی صاحب کو ایم ایس او کی طرف سے یادگاری شیلڈ ”نشانِ صدیق ؓ“ پیش کی گئی۔ حضرت شیخ کے بیان کے متصل بعد سید طلحہ شاہ صاحب نے ”صحابہ ؓ کرام پر مؤرخین کی ہرزہ سرائیاں اور مقام صحابہ ؓ“ کے عنوان سے تفصیلی گفتگو فرمائی اور سامعین کو حضرات صحابہ کرام ؓ کے مقام ومرتبہ سے روشناس کرایا۔ حضرت کی گفتگو سے دوسرے روز کی پہلی نشست کا اختتام ہوا اور نماز ظہر ادا کی گئی۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے متصل بعد شرکاء کنونشن نے کھانا تناول فرمایا اور بعدازاں دوسرے روز کی دوسری نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس نشست میں پہلی گفتگو موٹیویشنل سپیکر ڈاکٹر خاور زمان عباسی نے ”ٹائم مینجمنٹ اور کیریئر کونسلنگ“ کے عنوان سے کی۔ ڈاکٹر صاحب کی گفتگو کے بعد انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کے مرکزی جنرل سیکرٹری مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب نے ”ختم نبوت میں علماء کا کردار“ کے عنوان سے خطاب کیا اور سب سے پہلے محافظ ختم نبوت سیدنا صدیق ؓ اکبر کی سیرت طیبہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ بعدازاں ایم ایس او پاکستان کی جانب سے ڈاکٹر خاور زمان اور مولانا احمد علی سراج صاحب کو ”نشان صدیق ؓ“ شیلڈ پیش کی گئی۔ دوسرے روز کی دوسری نشست سے آخری گفتگو سابق رہنما MSO پاکستان برادر مہتاب حمید ایڈووکیٹ نے کی۔

دوسرے روز کی تیسری نشست بعد نماز مغرب انعقاد پذیر ہوئی، اس نشست کی پہلی گفتگو سابق رہنما ڈاکٹر ناصر شاہ خٹک نے ”عصری تعلیم کی ضرورت واہمیت“ کے عنوان سے کی۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد سابق ناظم اعلیٰ برادر محمد احمد معاویہ نے ”دور حاضر کے فتنے، الحاد اور جدیدیت، تعارف اور سدباب“ کے عنوان سے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ بعدازاں مذہب قادیانیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے ڈاکٹر محمد آصف نے قادیانیت اور بہائیت کے عنوان سے شرکاء سے گفتگو فرمائی اور نشست اپنے اختتام کو پہنچی۔ دوسرے روز کی آخری نشست بعد نماز عشاء ہوئی۔ اس نشست میں سابق امیر شوریٰ ملک مظہر جاوید ایڈووکیٹ، سابق ناظم اعلیٰ برادر محسن خان عباسی، ڈاکٹر نادر خان اور دیگر حضرات نے اپنے اپنے عنوانات پر تفصیلی گفتگو کی۔ اس نشست کے آخر میں سنت فاروقی ؓ پر عمل کرتے ہوئے مرکزی عاملہ نے خود کو کارکنان کی عدالت میں احتساب کے لیے پیش کر دیا۔ کارکنان نے مرکزی عاملہ کا بھرپور آئینی احتساب کیا اور دعا سے نشست اختتام پذیر ہوئی۔

تیسرے روز بعد نماز فجر درس قرآن کی سعادت صوبائی رہنما پنجاب برادر عمیر مکی نے حاصل کی۔ کچھ ٹائم آرام کے لیے دیا گیا اور صبح سات بجے تیسرے روز کی پہلی اور آخری نشست کا آغاز برادر گل اکرام ہزاروی کی تلاوت سے ہوا۔ تلاوت کے بعد سابق رہنما مفتی نسیم الرحمن خٹک، صفدر صدیقی، دانش مراد، مفتی ابو محمد اور امیر شوریٰ ایم ایس او پاکستان برادر رانا ذیشان نے تفصیلی گفتگو فرمائی۔ بیانات کے بعد ناظم کنونشن برادر شہزاد عباسی نے تمام شرکاء کنونشن اور مہمانان گرامی قدر کا شکریہ ادا کیا اور مثالی انتظامات پر تمام کمیٹیوں کے ممبران کی حوصلہ افزائی کی۔

بعدازاں سیشن 2022/23 میں مثالی کارکردگی پیش کرنے پر مختلف ذمہ داران وہ کارکنان کو شیلڈیں دی گئیں۔ جن میں مثالی مرکزی ذمہ دار کا ایوارڈ ”راقم“ کو، مثالی صوبے کا پنجاب (بقیہ صفحہ نمبر: 16 پر

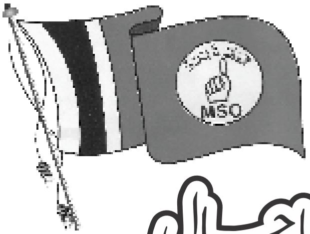

بزم نقیب طلبہ

مرکزی کنونشن۔۔۔آنکھوں دیکھا حال

نصیر احمد عثمانی مانسہرہ

یہ تو مٹی کی محبت کا ثمر ہوتا ہے
ورنہ دانے میں کہاں اتنا ہنر ہوتا ہے
رخ ہواؤں کا بدل دے جو ہمت سے
نام اس کا ہی زمانے میں امر ہوتا ہے

مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان ہمیشہ اپنے کارکنان کی ذہنی فکری اور عملی تربیت کے لئے منصوبہ بندی پر عمل پیرا رہتی ہے اس لئے کارکنان کی کوشش ہوتی ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ ملکی سطح کے تربیتی کنونشن میں شریک ہو کر اپنے اصلاحی اور فکری تعلق کو مضبوط کریں جبکہ اس موقع کی تمنا نہ صرف موجودہ ذمہ داران کو ہوتی ہے بلکہ وہ سابقہ ذمہ داران بھی منتظر ہوتے ہیں جو اپنے تعلیمی و تنظیمی ادوار میں جماعت کے نظم کی مضبوطی کے لئے ہر ایک قربانی دے چکے ہوتے ہیں، وہ بھی اپنے سینئیرز، ہم عصر، موجودہ ذمہ داران اور نئے کارکنان کی زیارت کے اشتیاق میں کشمیر و پاکستان کے طول وعرض سے سفر کر کے کنونشن میں حاضر ہوتے ہیں۔

مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان ہمیشہ اپنے کارکنان کی ذہنی فکری اور عملی تربیت کے لئے منصوبہ بندی پر عمل پیرا رہتی ہے اس لئے کارکنان کی کوشش ہوتی ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ ملکی سطح کے تربیتی کنونشن میں شریک ہو کر اپنے اصلاحی اور فکری تعلق کو مضبوط کریں۔

اس بار کا کنونشن گزشتہ امسال سے بڑھ کر کامیاب ترین تھا، شرکائے کنونشن کا ریکارڈ اضافہ تھا، نظم وضبط مثالی تھا، موضوعات اور مقررین بہترین تھے، شرکائے کنونشن کے لئے طعام کا خاص اہتمام تھا، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس پوری ترتیب پر MSO پاکستان کی شوریٰ، مرکزی عاملہ اور بالخصوص ناظمِ اجتماع برادر مولانا شہزاد عباسی، مرکزی ناظمِ اعلیٰ برادر سردار مظہر، مرکزی ناظمِ تربیتی امور برادر عبدالرؤف چوہدری، MSO مری کی عاملہ، بالخصوص برادر سمیع اللہ عباسی، لقمان عباسی، عبدالمتین عباسی اور معاونین کنونشن کی انتھک کوششوں کو سلامِ عقیدت اور خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

تربیتی کنونشن سیکھنے کا موقع ہوتا ہے کہ اگر کارکن کاغذ و قلم کے ساتھ ساتھ ذہنی وجسمانی طور پر کنونشن ہال میں مکمل حاضر رہے تو وہ کنونشن کے مقاصد سے سو فیصد مستفید ہو کر واپس اپنے علاقے میں MSO کے بہترین کارکن اور ذمہ دار کی حیثیت سے اپنا وجود تسلیم کرواتا ہے۔ ان شاء اللہ زندگی نے وفا کی تو نئے عزم، ہمت اور حوصلے کے ساتھ آئندہ سالانہ تربیتی کنونشن میں پھر ملاقات ہوگی۔

سدا آباد رہے ایم ایس او

محمد حسن کھرل

سرزمین پاکستان میں بہت سی جماعتیں کام کر رہی ہیں جن کا اپنا اپنا کوئی مقصد کوئی پروگرام ہے۔ کسی جماعت کا مقصد سیاست کے میدان میں خود کو منوانا ہے، کسی کا کوئی مقصد کسی کا کوئی مقصد ہے۔ غرض بہت سی جماعتیں، بہت سے مقاصد میں مصروف عمل ہیں۔ لیکن ایک تنظیم ایسی بھی ہے جو نوجوانوں کی سوچ و فکر، ان کا اعتماد اور ان کو ان کے روشن مستقبل کی نوید سناتی ہے اور ان کی تربیت ایک استاد کی طرح کر رہی ہے اور عرصہ 20 سال سے یہ اس کام میں مصروف عمل ہے۔

اور وہ تنظیم ہے مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن۔

حال ہی میں مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان نے 09/10/11 جون 2023 کو ایک فکری، نظریاتی، علمی، تربیتی کنونشن مری کی پر معطر فضا، دل کو بھا لینے والی خوبصورت ٹھنڈی اور حسین وادی میں کیا، ایک تو موسم بہت خوبصورت تھا اور دوسرا پہاڑوں کا حسین منظر اور اس حسین منظر کے درمیان مسجد کے حال میں Mso کا حسین اور خوبصورت گلدستہ جو اس پیارے انداز سے سجا ہوا تھا کہ ایسے لگتا تھا یہ بھی ان قدرتی مناظر میں سے ایک منظر ہے۔ ایسا ڈسپلن ایسا طریقہ کار جو شاید اس سرزمین پاکستان میں طلبہ کی کسی بھی تنظیم کے پاس نہ ہو۔ اور پھر ہال میں موجود پاکستان کے طول و عرض سے آئے ہوئے نوجوان جن میں مدارس، سکول، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ کی کثیر تعداد تھی جو کشمیر سے لے کر خیبر تک، کراچی سے لے کر پنجاب تک قافلوں کی صورت میں یہاں پہنچے تھے۔ کیا ہی دلکش منظر تھا اور اس سے بھی دلکش منظر آنے والے خوبصورت مہمان تھے جو بھی مہمان اپنا بیان کرتا اس کے بعد سوالات جوابات کی نشست ہوتی اور وہ اپنے موضوع کے متعلق تمام تر معلومات طلبہ کے سینوں میں اتار دیتا اور ہر آنے والے مہمان کا موضوع پہلے مہمان سے الگ ہوتا اور ہر شعبہ زندگی کے لوگ اپنا اپنا تجربہ طلبہ کے سامنے رکھتے۔ اسی طرح نوجوانوں سے سوالات کیے جاتے صحیح جواب دینے پر انعام دیا جاتا اسی طرح ہر مہمان کو بھی مرکز کی طرف سے شیلڈ دی جاتی اویس شہید کے والد مولوی آصف اور ان کے ماموں انعام خان لودھی نے بھی اپنے جذبات کا بھرپور اظہار کیا اور مجمع کو رلا دیا اور پھر اویس شہید کے والد کو بھی بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا اور شیلڈ دی گئی آخر میں مرکزی ناظم اعلیٰ کا خطاب اور احتساب کا خوبصورت ماحول جو ہماری جماعت کا حسن ہے اور دوسری جماعتوں سے الگ کرتا ہے کہ ہر کارکن اپنے ناظم اعلیٰ سے سوال کر سکتا ہے۔ ہے کوئی ایسا خوبصورت سسٹم؟ اس کے بعد مرکزی ناظم اعلیٰ ایک بار پھر سردار مظہر صاحب منتخب ہوئے۔ دعا ہے اللہ رب العزت اس گلشن کو یوں ہی سدا آباد چمکتا دمکتا رکھے اور اسے مزید ترقیاں دے کیونکہ یہ نوجوانوں کا وہ پلیٹ فارم ہے کہ آج کے دور میں ایسا کوئی پلیٹ فارم نہیں۔ ❀❀❀

ایسا ڈسپلن ایسا طریقہ کار جو شاید اس سرزمین پاکستان میں طلبہ کی کسی بھی تنظیم کے پاس نہ ہو۔ اور پھر ہال میں موجود پاکستان کے طول و عرض سے آئے ہوئے نوجوان جن میں مدارس، سکول، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ کی کثیر تعداد تھی جو کشمیر سے لے کر خیبر تک، کراچی سے لے کر پنجاب تک قافلوں کی صورت میں یہاں پہنچے تھے۔ کیا ہی دلکش منظر تھا۔